

## تفسیر معالم التنزیل (تنقیدی جائزہ)

ڈاکٹر سید ازکیا ہاشمی ☆

یہ حقیقت ہے کہ دور نبوت کے بعد اسلامی تعلیمات کے زوال اور عجمی علوم کے اختلاط کی وجہ سے بدعات کا دروازہ کھلا اور فرق ضالہ و مبتدعہ نے اپنے باطل افکار و نظریات کو قرآن حکیم سے ثابت کرنے کی کوشش کی، بالخصوص پانچویں صدی ہجری اس صورت حال کی حقیقی آئینہ دار ہے۔ اس فتنہ کے سبب کے لئے محدثین نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ قرآن حکیم کی تفسیر روایات نبوی و اقوال صحابہ و تابعین کی روشنی میں کی جائے اور علوم عربیت سے بھی استفادہ کیا جائے تاکہ اہل بدعت قرآن مجید میں در اندازی نہ کر سکیں۔

تفسیر کے موضوع پر امام بنوی کی تصنیف ”معالم التنزیل“ اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ امام بنوی کی علمی خدمات کا دائرہ کافی وسیع ہے۔<sup>(۱)</sup> اگرچہ علم حدیث ان کی توجہات کا خصوصی مرکز رہا ہے اور اس فن میں یادگار تصانیف چھوڑی ہیں، مگر علم تفسیر میں بھی آپ کی عظمت، امامت اور تفوق اہل علم کے ہاں مسلم ہے۔ بڑے بڑے علماء نے اس فن میں آپ کی مہارت کا مستقل حیثیت سے اعتراف کیا ہے۔ سبکی فرماتے ہیں: ”وقدره عال فی الدین والتفسیر“۔<sup>(۲)</sup> سیوطی لکھتے ہیں: ”کان اماماً فی التفسیر“۔<sup>(۳)</sup> ذہبی فرماتے: ”وله القدم الراسخ فی التفسیر“۔<sup>(۴)</sup>

علم تفسیر میں آپ کی شہرت کا باعث تفسیر معالم التنزیل ہے جو ہر دور میں اہل علم کے ہاں متداول رہی۔ یہ تفسیر متعدد بار طبع ہو چکی ہے۔ آخری مرتبہ دار المعرفۃ۔ بیروت

سے ۱۳۰۶ھ/۱۹۸۶ء میں خالد العک اور مروان سوار کی تحقیق و تعلیق کے ساتھ چار اجزاء میں طبع ہوئی ہے، ان حضرات نے ان احادیث کی تخریج کی ہے جنہیں بغوی نے بلا سند نقل کیا ہے، مشکل اور غریب الفاظ کی توضیح اور اہم مباحث پر مشتمل مختصر حواشی قائم کئے ہیں اور مختلف خطی نسخوں کا تقابلی کر کے تفسیر ہذا کو شائع کیا ہے۔ سابقہ نسخوں میں موجود اغلاط کی اصلاح کی ہے مگر ان کی تمام تر عرق ریزی کے باوجود اس میں طباعت کی اغلاط جا جا موجود ہیں۔

راقم الحروف نے اپنے پی ایچ ڈی کے مقالہ میں جو کہ امام بغوی کی تفسیر اور حدیث میں خدمات پر مشتمل ہے تفسیر ہذا کا تفصیلی جائزہ لیا ہے، اس کے اسلوب پر تنقیدی نقطہ نظر سے بحث کی ہے۔ تفسیر میں موجود اسرائیلیات اور موضوع احادیث کی نشاندہی کی ہے، تفسیر میں مختلف لغوی، نحوی، صرفی، فقہی اور کلامی مباحث کے بیان میں بغوی کے طرز بیان، طرز استدلال، استنباط مسائل اور مہارت فن کو اجاگر کیا ہے۔ نیز تفسیر مذکور جن محاسن و خصوصیات کی بناء پر کتب تفسیر میں امتیازی مقام کی حامل ہے ان پر دیگر کتب تفسیر سے موازنہ کرتے ہوئے بحث کی ہے۔

مقالہ ہذا میں اس کی تلخیص اہل علم کے استفادے کے لئے پیش کی جاتی ہے۔

### تعارف و سبب تالیف کتاب

امام بغوی نے تفسیر معالم التنزیل کے مقدمہ میں تفسیر کی اہمیت و فضیلت پر چند اہم اور قیمتی فوائد تحریر کئے ہیں اور کتاب کے سبب تالیف، اسلوب تفسیر اور مصادر تفسیر کا ذکر کیا ہے۔

کتاب کے سبب تالیف کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”میرے مخلص احباب کی ایک جماعت نے جو حصول علم کے شیدائیوں میں سے تھی، مجھ سے فرمائش کی کہ میں قرآن حکیم کی تفسیر پر ایک کتاب تصنیف کروں، پس میں نے اللہ کے فضل پر اعتماد کرتے ہوئے اس درخواست کو منظور کر لیا۔ حضور ﷺ کی وصیت پر کاربند رہتے ہوئے جیسا کہ ابو سعید خدری سے مروی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ زمین کے اطراف و جوانب سے

تمہارے پاس بہت سے لوگ دینی علوم حاصل کرنے کی غرض سے آئیں گے، جب وہ تمہارے پاس آجائیں تو ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا اور تدریسِ علم میں علماء سلف کی اقتداء میں اور مخلوق پر رحمت و شفقت کو مد نظر رکھتے ہوئے میں نے یہ تفسیر تالیف کی، (۵)۔

اس کے بعد کتاب کا مجموعی اسلوب ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”اگرچہ قدیم اکابر مفسرین کی تفاسیر پر اس میں کوئی اضافہ نہیں کیا گیا لیکن قدیم کی تجدید کے لئے ان میں کاوش و جدوجہد کا سلسلہ برابر جاری رہنا چاہئے اس لئے میں نے لوگوں کی فرمائش پر ایک متوسط درجہ کی کتاب مرتب کی ہے جو اطباء ممل اور اختصار محل سے خالی ہے اور مجھے امید ہے کہ اس فن میں اشتغال رکھنے والوں کے لئے یہ مفید ثابت ہوگی، (۶)۔“

یہ حقیقت ہے کہ مفسر موصوف نے تفصیلی مباحث سے اجتناب کرتے ہوئے ایک متوسط تفسیر جمع کی ہے اور ان کی اس خصوصیت کا اعتراف مختلف اہل علم نے کیا ہے۔ (۷)

مذکورہ تفسیر کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ یہ کتاب اختصار و جامعیت کے ساتھ تفسیر قرآن کے جملہ ضروری مباحث کا احاطہ کرتی ہے۔ اس کا شمار تفاسیر ماثورہ میں ہوتا ہے اس لئے اس میں آیات کی توضیح و تفسیر احادیث نبوی، اقوال صحابہ، تابعین و تبع تابعین وغیرہ ائمہ تفسیر کے حوالے سے کی گئی ہے۔ بغوی نے مقدمہ میں اس کی وضاحت کی ہے کہ انہوں نے احادیث نبویہ معتبرہ حدیث کی کتب سے اخذ کی ہیں اور منکر وغیرہ روایات سے احتراز کیا ہے۔ (۸) مقدمہ میں آپ نے اپنی تفسیر کے ان مصادر کا بھی ذکر کیا ہے جو تفسیر، حدیث، تاریخ، سیرت اور علم قرآء سے متعلق ہیں۔ (۹) اسی مقدمہ میں آپ نے تین فصلیں ذکر کی ہیں جو فضائل قرآن اور اس کی تعلیم، فضائل تلاوت قرآن اور تفسیر بارائے کی وعید کے متعلق ہیں۔ آخر میں تفسیر اور تاویل کا مفہوم واضح کرتے ہوئے ان میں

باہمی فرق کی نشاندہی کی ہے۔<sup>(۱۰)</sup>

### مصادر تفسیر

مفسر موصوف نے مقدمہ میں اپنی تفسیر کے درج ذیل مصادر کی نشاندہی کی ہے۔

#### ۱۔ مصادر تفسیر بالماثور

بغوی نے تفسیر بالماثور کے تیرہ مصادر ذکر کئے ہیں اور ان میں سے ہر تفسیر تک جو سلاسل اسناد مختلف طرق کے ذریعے پہنچتے ہیں انہیں بھی بیان کیا ہے اور اس بات کی وضاحت بھی مقدمہ میں کر دی ہے کہ ان میں سے اکثر طرق ان تک بواسطہ سند ”الشیخ ابو سعید احمد بن محمد الشریحی الخوارزمی عن الاستاذ ابی اسحاق احمد بن محمد بن ابراہیم الثعلبی عن شیوخہ“ پہنچے ہیں۔<sup>(۱۱)</sup> یہ تیرہ مصادر درج ذیل ہیں۔

(۱) تفسیر ابن عباس۔ جو تین طرق سے مروی ہے۔ ان طرق کی نشاندہی بھی کی ہے۔ (۲) تفسیر مجاہد بن جبر الکی۔ (۳) تفسیر عطاء بن ابی رباح۔ (۴) تفسیر الحسن البصری۔ (۵) تفسیر قتادہ (جو دو طرق سے مروی ہے)۔ (۶) تفسیر ابی العالیہ۔ (۷) تفسیر القرظی۔ (۸) تفسیر زید بن اسلم۔ (۹) تفسیر الکلبی۔ (۱۰) تفسیر الضحاک بن مزاحم الملالی۔ (۱۱) تفسیر مقاتل بن حیان۔ (۱۲) تفسیر مقاتل بن سلیمان۔ (۱۳) تفسیر سدی۔

بغوی نے مذکورہ مصادر تک پہنچنے والے طرق اسناد بھی ذکر کئے ہیں۔<sup>(۱۲)</sup>

#### ۲۔ مصادر اخبار و روایات و سیرة و مغازی

بغوی نے اخبار و روایات اور سیرة کا مصدر وہب بن نہہ کی ”المبتداء“ اور مغازی کا مصدر ”محمد بن اسحاق“ کو قرار دیا ہے۔ پھر ان ہر دو مصادر کی طرف سلسلہ سند نقل کیا ہے۔<sup>(۱۳)</sup>

امام بغوی اپنی تفسیر میں صرف مذکورہ مصادر و طرق ہی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ دیگر مصادر و طرق سے بھی استفادہ کرتے ہیں۔ مقدمہ میں اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”فہذا اسانید اکثر ما نقلتہ، عن ہولاء الائمة وہی مسموعۃ عن طرق سواھا ترکت ذکرھا حذراً من الاطالۃ، وربما حکیت عنہم او عن غیرہم من الصحابۃ او التابعین قولاً سمعته، بغير هذه الاسانید بعضہانی موضعہ من الکتاب ان شاء اللہ تعالیٰ عزوجل“، (۱۳)۔

### ۳۔ مصادر علم القراءت

بنوی نے اپنی تفسیر میں ان مشہور قراء کی قراءتوں کا بھی ذکر کیا ہے جن پر امت کا اتفاق ہے۔ ان قراء تک آپ کا سلسلہ سند امام ابو نصر محمد بن احمد بن علی المقرئ الروزی کے ذریعہ تلاوۃ وروایۃ پہنچتا ہے۔ (۱۵) مشہور قراء کے ذکر کے ساتھ ساتھ بنوی نے مقدمہ میں ان قراء کے طرق کا بھی حوالہ دیا ہے کہ ان کی قراءت کن واسطوں سے صحابہ کرام اور آنحضرت ﷺ تک پہنچتی ہے۔ (۱۶) (البتہ ایک قاری امام ابو عمرو بن العلاء کی قرأت کا سلسلہ سند ذکر نہیں کیا، ممکن ہے مولف یا کاتب سے سوا رہ گیا ہو)۔

### ۴۔ مصادر حدیث

امام موصوف نے ان احادیث کے مصادر ذکر نہیں کئے جو انہوں نے اپنی تفسیر میں کسی آیت کی تفسیر، کسی حکم کی تفصیل یا کسی شان نزول کی وضاحت کے سلسلے میں نقل کی ہیں۔ البتہ مقدمہ میں اس بات کی وضاحت کر دی ہے کہ یہ احادیث حفاظ وائمہ حدیث کی کتب سے لی گئی ہیں اور اس سلسلے میں مگر احادیث جو تفسیر کے مناسب نہیں ان سے احتراز کیا ہے، فرماتے ہیں:

”وما ذکرْتُ من احادیث رسول اللہ ﷺ فی اثناء الکتاب علی وفاق آیۃ اوبیان حکم ۰۰۰ فہی من الکتاب المسموعۃ للحفاظ وائمة الحدیث واعرضتُ عن ذکر المناکیر وما لا یلیق بحال التفسیر“، (۱۷)۔

مذکورہ مصادر کے علاوہ معالم التنزیل کے بعض دیگر مصادر بھی ہیں جن کا ذکر مقدمہ میں نہیں کیا گیا مثلاً وہ مصادر جو فقہ، لغت اور نحو و صرف سے متعلق ہیں البتہ دورانِ تفسیر اکثر ان کے حوالے سے کسی لفظ یا آیت کی وضاحت کی گئی ہے۔ (۱۸)

### ۵۔ مصادر فقہ

مشہور فقہاء مثلاً شافعی، (۱۹) مالک، (۲۰) احمد بن حنبل، (۲۱) ابو حنیفہ، (۲۲) سفیان ثوری، (۲۳) یث، (۲۴) زہری، (۲۵) اور اوزاعی (۲۶) وغیرہ کا ذکر تفسیر کے مقدمہ میں نہیں کیا البتہ تفسیر میں جا جا مذکورہ فقہاء کے مسالک اور دلائل مذکور ہیں۔

### ۶۔ مصادر لغت و نحو و صرف

تفسیر میں لغت، نحو و صرف کے جن ائمہ کے حوالے سے کلام کیا گیا ہے، حسب ذیل ہیں۔

ابن الانباری، (۲۷) ابن کيسان، (۲۸) ابو عبیدہ النخوی، (۲۹) الاحفش، (۳۰)  
الازہری، (۳۱) الخلیل، (۳۲) الزجاج، (۳۳) سیبویہ، (۳۴) الفراء، (۳۵)  
القتیبی، (۳۶) البرد، (۳۷) وغیرہ

بعض مقامات پر کسی شخصیت کا نام لئے بغیر حسب ذیل الفاظ کہنے پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔ قال اهل النحو، (۳۸) قال قوم، (۳۹) قال اهل المعانی، (۴۰) قال اهل البصرة (یا قال البصريون)، (۴۱) قال اهل الكوفة (یا قال الکوفیون)، (۴۲) قال اهل العراق (یا قال بعض فقہاء العراق)۔ (۴۳)

### اسلوب تفسیر۔ تنقیدی جائزہ

تفسیر معالم التنزیل انتہائی سادہ اور سہل زبان میں ترتیب دی گئی ہے، آیت قرآنی کی تشریح میں اختصار و جامعیت کو پیش نظر رکھا گیا ہے اور منطقی اصطلاحات اور علمی مناقشات سے احتراز کرتے ہوئے صرف اسی قدر تفسیر پر اکتفا کیا گیا ہے جس سے کلام الہی کی منشاء

و مراد واضح ہو سکے اور اس کا اظہار مولف نے تفسیر کے مقدمہ میں اختصار کے ساتھ کر دیا ہے۔

مفسر موصوف کا طریق تفسیر کچھ یوں ہے کہ اولاً سورۃ کا نام ذکر کر کے اس کے مکی اور مدنی ہونے کی نشاندہی کرتے ہیں پھر سورۃ کے سبب نزول کا بھی ذکر کرتے ہیں پھر طیکہ وہ کسی خاص موقع پر نازل ہوئی ہو اور دوران تفسیر ان آیات کا سبب نزول بیان کرتے ہیں جو کسی خاص واقعہ کے ساتھ متعلق ہوں، پھر آیات قرآنی کی سادہ اور مختصر عبارت میں قرآن حکیم، احادیث نبوی، صحابہ و تابعین اور دیگر علماء سلف کے حوالے سے تفسیر کرتے ہیں۔ مشکل الفاظ کی لغوی تحقیق میں قرآنی آیات، احادیث نبوی، کلام عرب اور جاہلی اشعار سے استدلال کرتے ہوئے معنی کی وضاحت کرتے ہیں۔ دوران تفسیر بعض آیات کے وجہ اعراب کی وضاحت اور قراءتِ ماثورہ کا بھی ذکر کرتے ہیں۔ آیات عقیدہ اور توحید و صفات کی تفسیر میں اہل سنت والجماعت کا مسلک پیش کرتے ہیں۔

مختصراً یہ کہ تفسیر قرآن کے سلسلے میں آپ کا اعتماد چار مصادر پر ہے: (۱) قرآن حکیم، (۲) سنت مطہرہ، (۳) آثار و اقوال سلف (صحابہ و تابعین وغیرہ)، (۴) علوم عربیہ (لغت، ادب، شعر، نحو و صرف وغیرہ)۔

آیات کے مفہوم کی وضاحت میں آپ میں مختلف قراءتوں کو بیان کرتے ہیں اور حسب ضرورت کلامی اور فقہی مسائل و مباحث بھی اختصار کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔ مذکورہ اسلوب کی تفصیل مع امثلہ حسب ذیل ہے۔

### (الف) تفسیر القرآن بالقرآن

مفسرین کے نزدیک تفسیر کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ قرآنی آیات کی تفسیر خود قرآن حکیم سے کی جائے کیونکہ جو مضمون قرآن حکیم میں ایک جگہ مجمل ہے دوسری جگہ مفصل ہے، بہت سی آیات کا اجمال، اختصار و ابہام کلام اللہ ہی کی دوسری آیات کی ذریعے دور ہو سکتا ہے۔ اس تفسیر کا عنوان تفسیر القرآن بالقرآن ہے۔ (۴۴) امام بغوی ”معالم التنزیل“

میں اس طرز تفسیر پر بجزرت اعتماد کرتے ہیں مثلاً:

۱- آیت کریمہ ” غیر المغضوب علیہم ولا الضالین“ (۴۵) کی تفسیر میں ” مغضوب

علیہم“ اور ” ضالین“ کے مصداق کے بارے میں فرماتے ہیں: ” مغضوب علیہم“ سے مراد یہود اور ” ضالین“ سے مراد نصاریٰ ہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے یہود کو اپنے غضب کا مصداق قرار دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ” من لعنہ اللہ و غضب علیہ“ (۴۶) اور نصاریٰ کے بارے میں فرمایا: ” ولا تتبعوا اہواء

قوم قد ضلّوا من قبل و اضلّوا کثیراً و ضلّو عن سواہ السبیل“۔ (۴۷)

۲- لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ثالث ثلاثہ (۴۸) میں ” ثالث ثلاثہ“ کے اجمال کی

وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ” عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ الوہیت اللہ تعالیٰ، مریم اور عیسیٰ کے درمیان مشترک ہے اور ان میں سے ہر ایک اللہ ہے پس وہ تین الہ ہوئے، اس کی وضاحت اللہ تعالیٰ اس آیت کریمہ میں فرماتے ہیں جس میں مسیحؑ کو مخاطب بنایا گیا ہے۔ ”أ أنت قلت للناس اتخذواى و أمى الہین من دون اللہ“۔ (۴۹)

۳- ” و بینہما حجاب“ (۵۰) کی تفسیر میں وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس

سے مراد ”السّور“ (دیوار) ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں کیا ہے۔ ”فضربَ بینہم بسور لہ باب“۔ (۵۱)

۴- بغوی دوران تفسیر الفاظ قرآنی کے معانی کی وضاحت میں کئی ایک قرآنی آیات بطور

تفسیر پیش کرتے ہیں مثلاً ”ابتغاء تأویلہ“ (۵۲) میں ”تأویل“ کا معنی ”تفسیرہ

و علمہ“ کے ساتھ فرماتے ہیں اور بطور دلیل قرآنی آیت پیش کرتے ہیں:

”سأنبئک بتأویل ما لم تستطع علیہ صبراً“ (۵۳)۔ ”تأویل“ کا دوسرا معنی لفظ

”قبیل“ کے ساتھ یہ کرتے ہیں۔ ”ابتغاء عاقبتہ“ اور بطور دلیل یہ آیت پیش

کرتے ہیں۔ ”ذالك خیر و احسن تأویلا“ (۵۴) ”ای عاقبتہ“۔ (۵۵)



۵۔ بعض اوقات کسی کلمہ کی لغوی تحقیق میں قرآن حکیم سے استشاد کرتے ہیں مثلاً آیت کریمہ ”وما یضلّ به الا الفاسقین“ (۵۶) کی تفسیر میں ”فسق“ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”اصل میں ”فسق“ کے معنی نکل جانے کے ہیں۔ جب چھلکا ہٹا کر خوشہ نکلتا ہے تو عرب کہتے ہیں: ”فسقت الرطبہ“ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ ”فسق عن امر ربہ“ (۵۷)۔ یعنی اپنے رب کے حکم سے نکل گیا۔“ (۵۸)

### (ب) تفسیر القرآن بالسنة

سنت رسول تفسیر کا دوسرا اہم مأخذ ہے۔ بغوی اپنی تفسیر کے مقدمہ میں کتاب و سنت کے باہمی رشتے کی اہمیت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”ان الكتاب یطلب بیانہ من السنة و علیہا مدار الشرع و امور الدین“ (۵۹)۔ (کتاب اللہ کی توضیح سنت ہی سے طلب کی جاتی ہے اور امور دین کا مدار و انحصار سنت ہی پر ہے)۔

بغوی چونکہ فن حدیث کے ائمہ میں سے ہیں اس لئے اپنی تفسیر میں احادیث سے خصوصی اعتناء کرتے ہیں۔ انہوں نے اپنی تفسیر میں روایات کا اچھا خاصا ذخیرہ جمع کیا ہے اور محدثین کے طرز پر احادیث کے سلسلہ اسناد کو بھی ذکر کرنے کا اہتمام کیا ہے۔ تفسیر میں ایسی احادیث بھی بجزرت موجود ہیں جو سلسلہ سند کے بغیر ہیں، البتہ وہاں صرف صحابی کا نام ہی ذکر کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں۔

بغوی اپنی تفسیر میں بعض احادیث کی تخریج بھی کرتے ہیں اور بعض کی صحت وغیرہ کا درجہ بھی متعین کرتے ہیں۔ اس سلسلے کی ایک مثال درج ذیل ہے۔

أنا أبو بکر محمد بن عبدالصمد الترابی، أنا الحاكم أبو الفضل  
الحدادی أنا ابو یزید محمد بن یحیی، أنا اسحاق الحنظلی، أنا  
أبو معاویة أنا عبدالرحمن بن اسحاق، عن النعمان بن سعید  
عن علی قال قال رسول الله ﷺ: ”ان فی الجنة لسوفا لیس  
فیہا بیع ولا شراء انا الصوور من الرجال والنساء فاذا اشتہی

الرَّجُلُ صُورَةٌ دَخَلَ فِيهَا، وَإِنْ فِيهَا لَمَجْتَمِعُ الْخُورَالْعَيْنِ يَنَادِينَ  
بصوت لم يسمع الخلائق مثله، نحن الخالدات فلانبيدُ ابدأ و  
نحن النَّاعِمَاتُ فلانبأسُ ابدأ، ونحن الرَّاغِبَاتُ فلا نسخط،  
فطوبى لمن كان لناوكنَّالهُ اونحن له. ”رواه ابويعسى عن هناد  
وأحمد بن منيع عن أبي معاوية مرفوعاً وقال: هذا حديث  
غريب“۔ (۶۰)

امام بغوی نے معالم التنزیل میں احادیث نبوی کے ذریعہ کلمات و آیات قرآنی کی  
تفسیر و تشریح کا حد درجہ اہتمام کیا ہے۔ اس سلسلے کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

۱۔ آیت کریمہ ”ولله على الناس حج البيت من استطاع اليه سبيلاً“ (۶۱) کی  
وضاحت میں یہ حدیث نقل کرتے ہیں: ”سأل رجل رسول الله ﷺ فقال: ما  
الحاجُّ؟ قال ”الشعثُ التفلُ“۔ فقام رجل آخر فقال يا رسول الله: ”أى  
الحجِّ افضلُ؟“ قال ”الحجُّ والشحُّ“۔ فقام رجل آخر فقال يا رسول الله ما  
السَّبيلُ؟ قال: زاد وراحلة“۔ (۶۲)

۲۔ ”تعاونوا على البرِّ والتقوى ولا تعاونوا على الاثم والعدوان“ (۶۳) کی تفسیر  
میں ”بر“ اور ”اِثم“ کی وضاحت میں آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے۔ ”البرُّ  
حُسنُ الخلق والاثم ما حاك في نفسك وكرهت ان يطَّلع عليه النَّاسُ“۔ (۶۴)  
بعض اوقات آیات قرآنی کے معانی و مفہیم اور متعلقہ امور کے ضمن میں مسلسل  
احادیث نقل کئے جاتے ہیں، مثلاً

۱۔ آیت کریمہ ”وبشرا الذين آمنوا وعملوا الصالحات ان لهم جنَّتٍ ...“ (۶۵) کی  
تفسیر میں جنت اور اس کی مختلف نعمتوں کی تفصیل میں سات احادیث نقل کی  
ہیں۔ (۶۶)

۲۔ آیت کریمہ ”وان من الحجاره لما يتفجر منه الانهر وان منها لما يشقق

فیخرج منه الماء وانّ منها لما يهبط من خشية الله“ (۶۷) کی تفسیر میں بنوی نے اولاً تو قرآنی آیات سے استدلال کیا ہے کہ جمادات وغیرہ میں عقل و شعور موجود ہے جس کی بناء پر وہ بھی خشیتِ خداوندی کے جذبات سے متصف اور صلوة و تسبیح میں منہمک رہتے ہیں۔ پھر احادیثِ نبویہ سے استدلال کرتے ہوئے چھ احادیث بطور تائید پیش کی ہیں۔ (۶۸)

۳۔ آیت کریمہ ”وان كان ذوعسرة فنظرة الى ميسرة“ (۶۹) کی تفسیر میں ایک فصل ”فی الدین وحسن قضائه وتشديد امره“ کے عنوان سے قائم کی ہے اور اس موضوع پر چار احادیث مع اسناد نقل کی ہیں۔ (۷۰)

۴۔ صلہِ رحمی سے متعلق آیت کی تفسیر میں صلہِ رحمی کی اہمیت اور اقارب سے حسن سلوک کے متعلق آٹھ احادیث مع اسناد نقل کی ہیں۔ (۷۱)

۵۔ ”والشعراء يتبعهم الغاؤون“ (۷۲) کی تفسیر میں احادیثِ نبوی کے ذریعہ شاعری کے بارے میں اسلام کے موقف کی وضاحت کی ہے اور اس سلسلے میں پانچ احادیث نقل کی ہیں۔ (۷۳)

بنوی نے اپنی تفسیر میں بعض ایسی احادیث بھی درج کی ہیں جو محدثین کے ہاں معروف نہیں اور مشہور مصادر حدیث میں دستیاب نہیں۔ (۷۴)

مفسر موصوف نے اگرچہ مقدمہ تفسیر میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ انہوں نے اپنی تفسیر میں ضعیف اور منکر احادیث سے اعراض کیا ہے۔ اور ابن تیمیہ نے بھی تفسیر ہذا کو بعض دیگر تفاسیر مثلاً زنجیزی اور قرطبی پر ترجیح دیتے ہوئے اسے ”اقرب الى الكتاب والسنة“ قرار دیا ہے اور اسے احادیثِ موضوعہ اور بدعتی نظریات و افکار سے پاک قرار دیا ہے۔ (۷۵)

مگر ان کی رائے سے مکمل اتفاق نہیں کیا جا سکتا۔ مطالعہ تفسیر سے معلوم ہوتا ہے کہ مفسر موصوف نے چند ایک احادیث ایسی بھی ذکر کر دی ہیں جنہیں ضعیف منکر یا موضوع کہا جا

سکتا ہے۔ البتہ بعض دیگر تفاسیر کی نسبت یہ تعداد اس میں نہ ہونے کے برابر ہے مثلاً :  
 ۱۔ آپ نے قصہ داؤد میں ایک طویل مرفوع حدیث مع سند نقل کی ہے جس میں حضرت داؤد  
 کے اوریا کی عورت پر فریفتہ ہونے اور اسے جملہ پر گھیننے کا ذکر ہے اور حضرت داؤد کی توبہ  
 کے متعلق عجیب و غریب حکایات ہیں۔<sup>(۷۶)</sup> یہ حدیث موضوع ہے اور اس کی سند ایک  
 راوی ”یزید الرقاشی“ محدثین کے ہاں متروک ہے اور ائمہ رجال و حدیث کی اس کے  
 بارے میں آراء بہت سخت ہیں۔<sup>(۷۷)</sup>

۲۔ اسی طرح کی ایک مثال آیت ”واذتقول للذی انعم اللہ علیہ“<sup>(۷۸)</sup> کے شان  
 نزول میں ایک روایت نقل کی ہے جس میں حضرت زینب سے عقد سے قبل  
 آنحضرت ﷺ کی نظرات کا ذکر ہے۔<sup>(۷۹)</sup> لیکن حجر نے اس قسم کی روایات کو  
 باطل قرار دیا ہے۔<sup>(۸۰)</sup>

### (ج) تفسیر القرآن بآثار الصحابة والتابعین وغیرہم

کلام الہی کے معنی و مفہوم سمجھنے میں آثار و اقوال صحابہ کی طرح رجوع اس بناء پر  
 انتہائی اہم ہے کہ حضرات صحابہ قرآن حکیم کے اولین مخاطب ہونے کی بناء پر نزول قرآن  
 کے احوال و قرآن سے واقف اور شارح قرآن سے براہ راست کسب فیض اور فہم کامل کی بناء  
 پر تفسیر قرآن کے سب سے بڑے عالم تھے۔ اسی طرح تابعین حضرات صحابہ ہی کے چشمہ  
 فیض سے مستفید ہوئے اور اکثر و بیشتر تفسیری اقوال ان ہی سے اخذ کئے اس لئے فہم قرآن  
 کے سلسلہ میں کتاب و سنت کے بعد ان ہی حضرات کے آثار و اقوال پر اعتماد کیا جاتا ہے۔

امام موصوف تفاسیر ماثورہ کے طرز پر قرآن و سنت کے بعد آثار صحابہ و تابعین  
 وغیرہ پر اعتماد کرتے ہیں چونکہ تفسیر کا غالب حصہ سلف کے تفسیری اقوال و آثار پر منحصر  
 ہے اس لئے اسے تفاسیر بالماثور میں شمار کیا جاتا ہے۔ حاجی خلیفہ لکھتے ہیں: ”نقل فیہ عن  
 مفسری الصحابة والتابعین ومن بعدهم“۔<sup>(۸۱)</sup>

بغوی نے مقدمہ تفسیر میں ان مصادر کا ذکر کر دیا ہے جن سے تفسیری اقوال و آثار

اخذ کئے ہیں اور جن کی طرف ہم اس سے قبل اشارہ کر چکے ہیں۔ بغوی نے اگرچہ ان طرق اسناد کا بھی ذکر کیا ہے جو ان مصادر تک پہنچتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ تفاسیر صحابہ تک پہنچنے والے بغوی کے بعض طرق اسناد علماء جرح و تعدیل کے ہاں ضعیف ہونے کی بناء پر معتبر نہیں مثلاً تفسیر ابن عباس تک بغوی کا نقل کردہ دوسرا سلسلہ سند ”ابن عطیہ سعد العوفی عن عمہ عن ابیہ عن جدہ عطیہ عن ابن عباس“ ضعیف ہے۔ (۸۲) اسی طرح تفسیر زید بن اسلم تک کا سلسلہ سند بطریق ”عبدالرحمن عن ابیہ زید بن اسلم“ ضعیف شمار کیا جاتا ہے۔ (۸۳) لیکن اکثر طرق اسناد انتہائی عمدہ ہیں مثلاً تفسیر ابن عباس تک بغوی کا پہلا نقل کردہ سلسلہ سند ”عن معاویہ بن صالح عن علی بن ابی طلحہ عن ابن عباس“ اصح ترین سلسلہ سند ہے۔ (۸۴) امام بخاری نے ابن عباس کی تعلیقات کے سلسلے میں اسی سند پر اعتماد کیا ہے۔ (۸۵)

بغوی بعض مقامات پر ”کلبی“ (محمد بن السائب البوانعز) سے بھی روایات نقل کرتے ہیں، (۸۶) حالانکہ یہ شخص محدثین کے نزدیک متروک الحدیث ہے۔ سیوطی فرماتے ہیں:

”کلبی متہم بالتکذب ہے جب وہ ہمارا پڑا تو اپنے اصحاب و تلامذہ سے کہا میں نے جو کچھ بھی بروایت ابو صالح بیان کیا ہے وہ جھوٹ ہے۔“ (۸۷)

کلبی سے روایت کرنے والوں میں محمد بن مروان (سندی الصغیر) مشہور ہے۔ محدثین اسے واضح حدیث میں شمار کرتے ہیں۔ بغوی نے اپنی تفسیر میں ”محمد بن مروان عن محمد بن السائب الکلبی“ کی سند کے ساتھ روایات نقل کی ہیں۔ سیوطی اس سند کو سلسلۃ التکذب خیال کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں: ”اگر کلبی کی سند کے ساتھ صدی الصغیر کو بھی شامل کیا جائے تو یہ سند سلسلۃ التکذب تصور کی جائے گی۔“ (۸۸)

بغوی نے تفاسیر صحابہ و تابعین تک پہنچنے والے طرق اسناد ذکر کئے ہیں مگر بعض کے ناموں اور طرق روایت کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ مثلاً حضرات علیؓ، ابن مسعودؓ، ابو ہریرہؓ، ربیع

بن انسؓ، عکرمہؓ، ابراہیم الخلیؓ، الشعبیؓ، سعید بن جبیرؓ، سعید بن المسیبؓ اور ابن جریجؓ وغیرہم۔ چنانچہ اپنی تفسیر میں اگر بغوی ان حضرات سے روایت کرتے ہیں جن کا ذکر انہوں نے مقدمہ میں نہیں کیا تو کبھی بلسد یا بلاسند ذکر کرتے ہیں اور بعض مقامات پر کسی کا نام ذکر کرنے کے جائے۔ قال اکثر المفسرین، (۸۹) قال اهل التفسیر، (۹۰) قال اهل السنة، (۹۱) قال الاکثرون، (۹۲) قال قوم، (۹۳) یا قبیل (۹۴) کے الفاظ بھی استعمال کرتے ہیں۔

تفسیر باہار الصحابہ والتابعین وغیرہم کا اسلوب و انداز معالم التنزیل میں کیسا ہے؟ بطور نمونہ چند مثالیں ذیل میں پیش کی جاتی ہیں۔

۱۔ ”الم“ کی تفسیر میں ”حروف قطعات“ کے معانی اور ان کی حقیقت کے بارے میں تیرہ اقوال نقل کئے ہیں جو ابو بکر الصدیقؓ، علیؓ، ابن عباسؓ، داؤد بن ابی ہندؓ، ربیع بن انسؓ، محمد بن کعبؓ، سعید بن جبیرؓ، قتادہؓ، مجاہدؓ، ابن زیدؓ اور اعنشؓ سے مروی ہیں۔ (۹۵)

۲۔ آیت کریمہ ”وعلم آدم الاسماء کلھا“ (۹۶) کی تفسیر میں ”علم الاسماء“ کی توضیح میں مختلف اقوال نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”ابن عباسؓ، مجاہد اور قتادہ فرماتے ہیں۔ ”انہیں ہر چیز کا نام سکھایا حتیٰ کہ پیالے کا بھی اور بعض نے کہا قیامت تک ہر چیز کا نام جو ہو چکی یا ہوگی اور ربیع بن انس فرماتے ہیں، اس سے مراد فرشتوں کے نام ہیں اور بعض نے آدم کی اولاد کے نام مراد لئے ہیں اور بعض نے علم الاسماء کے ہر چیز کی صنعت مراد لی ہے۔“ (۹۷)

۳۔ ”مثابة للناس“ (۹۸) کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ”قال مجاهد و سعید بن جبیر یثویون الیہ من کلّ جانب و یحجون، قال ابن عباس رضی اللہ عنہا۔ معاذاً و ملجاً و قال قتادہ و عکرمہ مجعاً“ (۹۹)

۴۔ لفظ ”حکمة“ کے معنی و مفہوم کی توضیح میں متعدد اقوال نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ قال مجاہد ”فہم القرآن“ و قال مقاتل ”مواعظ القرآن و مافیہ من

الأحكام۔ قال قتيبه "هي العلم والعمل لا يكون الرجل حكيماً حتى يجمعها"۔  
وقيل هي السنة والأحكام، وقيل هي القضاء وقيل الحكمة الفقة۔ قال ابوبكر  
بن دريد، كل كلمة وعظمتك اودعتك الى مكرمة اونتهك عن قبيح فهي  
حكمة"۔ (۱۰۰)

۵۔ آیتِ کریمہ " انا خلقنا الانسان من نطفة امشاج " کی تفسیر میں "نطفة  
امشاج" (۱۰۱) کی توضیح میں فرماتے ہیں: "لكن عباس، حسن، مجاہد اور ربیع فرماتے  
ہیں: اس سے مراد مرد اور عورت کا پانی ہے جو رحم میں ٹٹھلے ہوتا ہے اور اس سے  
چم پیدا ہوتا ہے، اور ضحاک فرماتے ہیں: امشاج سے مراد نطفہ کے رنگوں کا مختلف  
ہونا ہے، مرد کا نطفہ سفید و سرخ رنگ کا ہوتا ہے اور عورت کا نطفہ سبز، سرخ  
اور زرد رنگ کا ہوتا ہے۔ کلبی فرماتے ہیں: امشاج سے مراد وہ سفیدی ہے جو  
سرخ اور زردی میں ہو اور یمن فرماتے ہیں: "ہر دو رنگ جو آپس میں مل جائیں  
امشاج ہے"۔ لکن مسعود فرماتے ہیں: "امشاج سے مراد وہ رنگیں ہیں جو نطفہ میں  
ہوتی ہیں"۔ (۱۰۲)

بغوی کا اگرچہ عام اسلوب یہی ہے کہ وہ آیات و کلمات کی تفسیر میں سلف کے آثار  
و اقوال نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں اور اپنی ذاتی رائے کا اظہار نہیں کرتے لیکن بعض مواقع  
پر راجح اور اصح قول کی بھی تعیین کرتے ہیں اور کہیں اس کی وجہ ترجیح بھی نقل کرتے ہیں اس  
سلسلے میں بعض اہل علم کی یہ رائے درست نہیں کہ بغوی مختلف روایات میں ترجیح سے گریز  
کرتے ہیں جیسا کہ محمد حسین ذہبی "التفسیر والمفسرون" میں اسی رائے کا اظہار کرتے  
ہوئے لکھتے ہیں: "ينقل الخلاف عن السلف في التفسير ويذكر الروايات عنهم في  
ذلك ولا يرجح رواية على رواية" (۱۰۳)۔ شیخ خالد الحک "معالم التنزيل" کے مقدمہ  
میں یہی بات دہراتے ہیں: "يذكر الخلافات عن السلف في التفسير ويعددها عنهم  
الروايات في ذلك ولا يرجح بعضها على بعض أو يقدح بشئ منها" (۱۰۴)۔ جب کہ

تفسیر بغوی میں متعدد ایسی مثالیں موجود ہیں جن میں مختلف آراء و اقوال کو ایک دوسرے پر ترجیح دی گئی ہے۔ مثلاً:-

۱۔ کلمہ ”اسم“ کے مادہ اشتقاق کے بارے میں علماء لغت کا اختلاف نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بصرین میں سے مہر سے ”مستمو“ سے مشتق مانتے ہیں جب کہ کوفیوں میں سے ثعلب اس کے قائل ہیں کہ یہ ”وسم“ اور ”سمة“ سے مشتق ہے۔ دونوں اقوال میں ترجیح دیتے ہوئے فرماتے ہیں: ”ولاوّل اصحّ لانه یصفر علی ستمی ولوکان من السمّت لکان یصفر علی الوسیم کما یقال فی الوعدی ووعید“ (پہلی رائے درست ہے کیونکہ اسم کی تفسیر سمی کے ساتھ کی جاتی ہے اگر وہ سم سے مشتق ہوتا تو اس کی تفسیر وسیم کے ساتھ کی جاتی جیسا کہ وعد کی تفسیر ووعید سے ہوتی ہے)۔ (۱۰۵)

۲۔ آیت کریمہ ”والمطلقت یتربصن بانفسهن ثلثة قروء“ (۱۰۶) میں لفظ ”قروء“ کے معنی کی تعیین میں مختلف اقوال و آراء نقل کی ہیں۔ بعد ازاں ”قروء“ بمعنی ”ظہر“ کو ”حیض“ کے معنی پر ترجیح دیتے ہوئے احادیث نبویہ اور لغت سے استشہاد کیا ہے۔ (۱۰۷)

۳۔ آیت کریمہ ”والذین یکنزون الذہب“ (۱۰۸) کی تفسیر میں بغوی نے اس موضوع پر تین آراء نقل کی ہیں کہ ”کنز“ کا اطلاق کس مال پر ہوتا ہے؟ اس سلسلے میں مختلف اقوال بیان کرنے کے بعد قول اوّل ”یعنی ہر مال جس پر زکوٰۃ ادا نہ کی جائے کنز ہے“ کو دلائل کے ساتھ ترجیح دیتے ہیں۔ (۱۰۹)

اس سلسلے کی مثالیں جاچا تفسیر میں موجود ہیں، اگرچہ ان میں اختصار کو مد نظر رکھا گیا ہے۔

## اسرائیلیات اور معالم التنزیل

اسرائیلیات سے مراد یہود و نصاریٰ کی وہ روایات ہیں جو کتب تفسیر میں قرآن حکیم



کی تفسیر کے ضمن میں بیان کی گئی ہیں۔ جن کا ماخذ ان کی دینی کتب توراہ و انجیل وغیرہ اور زبانی قصص و حکایات ہیں جو ان کے ہاں زبان زد عام تھے۔ قرآن حکیم کے اجمالی واقعات کی تفصیل سے نو مسلم اہل کتاب سے بھی قصص و روایات کا ایک بڑا حصہ منقول ہے بالخصوص یہود بنی اسرائیل سے جن کے مسلمانوں سے زیادہ اختلاط کے باعث بھرت روایات نقل کی گئیں اس بناء پر ان روایات پر تغلیباً ”اسرائیلیات“ کا اطلاق کیا جانے لگا۔

اسرائیلیات کا دائرہ عقائد، احکام شریعت اور مواعظ و قصص تک وسیع ہے ان میں سے بعض ہماری شریعت کے موافق ہیں بعض مخالف اور بعض قابل توقف ہیں۔ لکن کثیر کے نزدیک وہ اسرائیلیات جن کی تصدیق دوسرے خارجی دلائل سے ہو چکی ہو جیسے غرق فرعون، جادوگروں سے مقابلہ، کوہ طور پر تشریف آوری وغیرہ روایات اس لئے قابل اعتبار ہیں کہ قرآن حکیم یا صحیح احادیث نے ان کی تصدیق کر دی ہے۔ اور وہ اسرائیلیات جن کا جھوٹا ہونا خارجی دلائل سے ثابت ہو چکا ہے مثلاً حضرت سلیمانؑ کا آخر عمر میں مت پرستی میں مبتلا ہونا اور داؤدؑ کا اپنے سپہ سالار ”کوریہ“ کی بیوی پر فریفتہ ہونا باطل ہے کہ قرآن حکیم اور خارجی دلائل سے اس کی تردید ہوتی ہے۔ اسرائیلیات کی تیسری قسم وہ ہے جن کے بارے میں خارجی دلائل سے نہ تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ سچی ہیں اور نہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ جھوٹی ہیں مثلاً توراہ کے احکام وغیرہ۔ ایسی روایات کے متعلق آنحضرت ﷺ کی تعلیم یہ ہے کہ ان کے بارے میں سکوت اختیار کیا جائے نہ ان کی تصدیق کی جائے نہ تکذیب۔ (۱۱۰)

اہل کتاب سے نقل و روایت کی اجازت کے سلسلے میں آنحضرت ﷺ سے یہ ارشاد بھی مروی ہے، آپ نے فرمایا: ”بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً وَحَدِّثُوا عَن بَنِي إِسْرَائِيلَ وَلَا خَرْجَ، وَمَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَمَدِّدًا فَلْيَتَّبِعُوا مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ“ (۱۱۱) (یعنی مجھ سے ایک آیت بھی سنو تو اسے آگے پہنچا دو۔ بنی اسرائیل کی روایات بیان کرو اس میں کچھ مضائقہ نہیں اور جس نے مجھ سے دانستہ جھوٹ باندھا اس نے اپنا گھر دوزخ میں بنا لیا)۔

اس حدیث سے ان اسرائیلیات کے نقل کا ثبوت ملتا ہے جو شریعتِ محمدی کے خلاف نہ ہوں بطور استشہاد ان کے نقل کرنے میں کوئی حرج نہیں اور صحابہ کرام انہی حدود

کے اندر رہتے ہوئے اہل کتاب سے اخذ و استفادہ کرتے رہے لیکن ان کے بعد اہل کتاب کے بھرت اسلام قبول کرنے کی بناء پر ان سے نقل روایت کا سلسلہ وسعت اختیار کرتا گیا۔ چونکہ قدیم مفسرین اسباب تکوین، آغاز تخلیق اور تاریخ انسانیت میں پیش آنے والے عظیم حوادث و واقعات کے بڑے مشتاق تھے اس لئے اہل کتاب سے استفادہ کی بناء پر ان کی تفاسیر میں ایسی روایات جمع ہونے لگیں جو عقل و نقل اور روح اسلام کے خلاف تھیں اس بناء پر ابن خلدون کو کہنا پڑا کہ ”محققین نے اسرائیلیات سے اپنی تفاسیر کو بھر دیا ہے اور ان میں رطب و یابس اور مقبول و مردود سب ہی قسم کی روایات موجود ہیں۔“ (۱۱۲)

محققین اہل تفسیر کے طرز پر بغوی نے بھی اپنی تفسیر ”معالم التنزیل“ میں اسرائیلی قصص و اخبار کثرت سے نقل کئے ہیں مثلاً:-

۱- قصہ ہاروت و ماروت جو مختلف صحابہ و تابعین وغیرہ کے حوالے سے نقل کیا ہے جس میں ہاروت و ماروت فرشتوں کا زہرہ نامی عورت پر فریفتہ ہونے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھورسزا ان کے چاہ بابل میں الٹا لٹکانے کا ذکر ہے۔ نیز ان کے عذاب دیئے جانے کی کیفیت کے بارے میں بھی مختلف اقوال نقل کئے ہیں۔ (۱۱۳) مفسر موصوف نے اس واقعہ کی تفصیل میں اختصار سے کام لیا ہے بعض دیگر مفسرین مثلاً طبری و سیوطی وغیرہ نے اس واقعہ کی تفصیلات میں عجیب و غریب باتیں نقل کی ہیں اور حد یہ کہ ان واقعات کے ثبوت میں ایک مرفوع حدیث بھی نقل کر دی ہے جس کی نسبت محققین کے نزدیک آنحضرت ﷺ کی طرف درست نہیں۔ (۱۱۴) محقق ابن کثیر اور بعض دیگر اہل علم نے ان تمام آثار پر بڑی عمدہ تنقید و محاکمہ کیا ہے۔ (۱۱۵)

۲- آیت کریمہ ”ولقد اخذ اللہ میثاق بنی اسرائیل و بعثنا منہم اثنی عشر نقیباً“ (۱۱۶) کی تفسیر میں قوم جبارین کے ایک فرد ”عوج بن عنق“ کے لہجے جسم، اس کی خوراک اور طویل عمر کے بارے میں ناقابل یقین واقعات جو انتہائی مبالغہ

آمیڑی پر مبنی ہیں نقل کئے ہیں۔ (۱۱۷) لکن کثیر نے بالخصوص عمدہ دلائل کے ساتھ ان واقعات پر جرح و تنقید کی ہے۔ (۱۱۸)

۳۔ سورہ نون کی تفسیر میں ”ن“ کا معنی مختلف آمار کے حوالے سے یہ نقل کیا ہے کہ ”یہ وہ مچھلی ہے جس کی پشت پر زمین قائم ہے“ پھر اس کے نام کے بارے میں ائمہ مفسرین کا اختلاف نقل کیا ہے، بعد ازاں مچھلی کی تخلیق وغیرہ کے بارے میں عجیب و غریب واقعہ ذکر کیا ہے جو روایت و درایت کی رو سے باطل ہے۔ (۱۱۹)

قصص انبیاء کے ضمن میں بھی بغوی نے اسرائیلیات کی ایک کثیر تعداد نقل کی

ہے۔ مثلاً

۱۔ طالوت اور داؤد کی چپقلش اور طالوت کی توبہ کے متعلق افسانوی واقعات آیت ”وقتل داؤد جالوت“ (۱۲۰) کی تفسیر میں نقل کئے ہیں۔ (۱۲۱)

۲۔ امتحان داؤد کے بارے میں آیت کریمہ ”وهل اتاك بناء الخضم“ (۱۲۲) کی تفسیر

میں بھی اسرائیلی روایات اور چند موضوع روایات نقل کر دی ہیں۔ جن میں حضرت داؤد کا اوریا کی بیوی پر فریفتہ ہونے، اسے جہاد پر بھیجنے اور توبہ کے بارے میں عجیب و غریب باتیں ہیں۔ (۱۲۳) بغوی نے بعض دیگر مفسرین کی طرح ان

اسرائیلی ہنوات کو بلا دلیل قرآن حکیم کی تفسیر میں نقل کر دیا ہے۔ اس قسم کی خرابی داستانوں میں حضرت داؤد کا جو کردار اور اخلاقی نقشہ کھینچا گیا ہے وہ ایک پیغمبر تو کجا کسی صحیح، بااخلاق انسان کے بارے میں بھی متصور نہیں کیا جاسکتا۔ کسی کی بیوی پر نظر ڈالنا، اس سے ناجائز طور پر ملوث ہونا، پھر سازش کر کے اس کے شوہر کو ناحق قتل کروانے جیسی ناپاک حرکات کا انتساب داؤد کی طرف بہتان عظیم ہے۔ لکن کثیر اس کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”قد ذکر المفسرون ہنہنا

قصته اکثرها مأخوذ من الاسرائیلیات ولم یثبت فیہا عن المعصوم حدیث

یجب اتباعہ“۔ (۱۲۴)

۳۔ آیت کریمہ ”ولقد فتننا سلیمان“ (۱۲۵) کی تفسیر میں آپ نے ایسی روایات درج کی ہیں جن میں حضرت سلیمان کی سزا کا ذکر ہے جو حضرت سلیمان کی ایک بیوی ”جرادہ“ کی مت پرستی کا ذکر ہے جس کی سزا میں آپ کو اللہ تعالیٰ نے اتنی مدت تک کے لئے تحتِ سلطنت سے محروم کر دیا تھا جتنی مدت تک جرادہ ان کے گھر میں آپ کی عدم موجودگی میں مت پرستی کرتی رہی۔ ان کی انگشتری جو کہ سلطنت کے قیام کا ذریعہ تھی شیطان کے ہاتھ لگ گئی اور وہ بصورتِ سلیمان تخت پر بیٹھ کر حکمرانی کرنے لگا۔ پھر انگشتری واپس ملنے پر سلیمان دوبارہ تخت و سلطنت کے مالک بن گئے۔ (۱۲۶)

۴۔ سورہ یوسف میں آیت کریمہ ”ولقد همت به وهم بها“ (۱۲۷) کی تفسیر میں بھی بغوی نے بعض ایسی روایات نقل کی ہیں جن میں حضرت یوسفؑ کے بار بار بدی کا ارادہ کرنے اور نیبی رکاوٹوں کا ذکر ہے۔ (۱۲۸) بالخصوص ”عن مجاهد عن ابن عباس“ سے منقول روایت (۱۲۹) کے الفاظ و تراکیب سے صاف واضح ہوتا ہے کہ یہ افسانوی روایت قصہ گو حضرات کی وضع کردہ ہے اور یوسفؑ پر سراسر افتراء و بہتان ہے۔

اس قسم کی مثالیں اصحابِ کف کی تعداد، اسماءِ زمانہ اور مقام کی تعیین اور کتے کے نام کے بارے میں اصحابِ کف کے قصہ میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ (۱۳۰) مزید مثالیں قصص الانبیاء بالخصوص حضرت آدمؑ، (۱۳۱) حضرت موسیٰؑ، (۱۳۲) حضرت یوسفؑ، (۱۳۳) وصف لہ (۱۳۳) اور یاجوج ماجوج (۱۳۵) وغیرہ کے ضمن میں بھی موجود ہیں جن کا ذکر قدرے اختصار کے ساتھ کیا گیا ہے۔

بغوی ان اسرائیلیات کے نقل کرنے میں متفرد نہیں بلکہ اکثر کتب تفسیر بالمآثور اس سلسلے میں موردِ جرح ہیں۔ دراصل نقلِ اسرائیلیات کے عام رجحان کے پیش نظر امام بغوی نے بھی اپنے پیشرو مفسرین ہی کے طرز و اسلوب کو اختیار کیا ہے، اگرچہ آپ کی محدثانہ شان

اس امر کی متقاضی تھی کہ آپ ان تمام روایات کا تنقیدی نقطہ نظر سے جائزہ لیتے اور جو روایات عقل و نقل سے معارض ہوتیں انہیں رد فرماتے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ دیگر کتب تفاسیر بالمأثور کی نسبت اسرائیلیات کی تعداد تفسیر بغوی میں انتہائی کم ہے۔

تفسیر معالم التنزیل کے متعلق ابن تیمیہ کی رائے فتاویٰ ابن تیمیہ میں نقل کی گئی ہے کہ ان سے دریافت کیا گیا کہ تفسیر قرآن پر مشتمل کون سی کتاب قرآن و حدیث سے قریب تر ہے۔ زحمری کی کتاب؟ قرطبی کی؟ یا بغوی کی؟ یا ان کے علاوہ کوئی اور کتاب؟ تو انہوں نے فرمایا کہ ”ان تینوں میں سے بغوی کی تفسیر بدعت اور احادیث ضعیفہ کی آمیزش سے مقابلہ زیادہ پاک و صاف ہے۔ بغوی کی تفسیر ثنابلی کی تفسیر سے مختصر ہے اور آپ نے اس میں احادیث ضعیفہ اور مبتدعانہ اقوال حذف کر دیئے ہیں۔“ (۱۳۶)

### (د) تفسیر القرآن بالعلوم العربیة

تفسیر آیات کے سلسلے میں بغوی قرآن و سنت اور آثار سلف کے علاوہ عربی لغت اور نحوی و صرفی قواعد پر اعتماد کرتے ہیں مگر عام مفسرین کی طرح اس موضوع کے غیر ضروری مسائل پر بحث کرنے کے بجائے صرف اسی قدر تفصیل پر اکتفا کرتے ہیں جس سے معانی الفاظ کی تعیین اور مدلول آیات واضح ہو سکیں۔ اس قسم کے مباحث درج ذیل ہیں۔

### لغوی مباحث

بغوی اپنی تفسیر میں عربی لغت سے بھی بھرتا استشہاد کرتے ہیں۔ بعض کلمات و مفردات کے معانی کی تعیین اور توضیح میں اکثر قرآنی آیات اور احادیث نبوی سے استدلال کرتے ہیں (اس سلسلے کی مثالیں ”تفسیر القرآن بالقرآن“ اور ”تفسیر القرآن بالسنۃ“ کے عنوان کے تحت گزر چکی ہیں)۔ بعض مقامات پر الفاظ و کلمات کی لغوی تحقیق میں قرآن و سنت کے بعد لغت عرب اور جاہلی اشعار سے بھی احتجاج و استشہاد کرتے ہیں۔ مثلاً ”لفظ قرء (۱۳۷) کے معنی کی تعیین میں اختلاف ائمہ نقل کرنے کے بعد ”قرء“ بمعنی ”طہر“ کو لغت و اشعار عرب سے استشہاد کرتے ہوئے ترجیح دی ہے۔“ (۱۳۸) ”والاثم والبغی“ (۱۳۹)

کی تفسیر میں لفظ ”اثم“ کے مختلف معانی نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حسن کے نزدیک ”اثم“ سے مراد ”خمر“ ہے۔ دلیل میں یہ شعر پیش کرتے ہیں :-

شربت الخمر حتى ضلّ عقلی کذاک الاثم، ینهب العقول

اس شعر میں ”اثم“ بمعنی ”خمر“ استعمال ہوا ہے۔ (۱۳۰) آیت کریمہ ”قدخلت من

قبلکم سنن“ (۱۳۱) کی تفسیر میں ”سنن“ کا ایک معنی ”م“ نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”سنن ای امم والسنة الامة“ پھر بطور استشہاد یہ شعر پیش کرتے ہیں :-

ماعاین الناس من فضل کفضلکم ولا رأوا منکم فی سالف السنن (۱۳۲)

آیت قرآنی ”لأخذنا منه بالیمنین“ (۱۳۳) کی تفسیر میں ابن عباس کے حوالے

سے ”یمنین“ کے معنی ”قوة“ نقل کئے ہیں۔ ”ای لأخذناہ بالقوة والقدرة“ پھر بطور استشہاد یہ شعر پیش کرتے ہیں :-

اذا مارأیة رفعت لمجد تلقاها عرابة بالیمنین

ای بالقوة۔ عبر عن القوة لأن قوة کل شئی فی میامنه“ (۱۳۴)

آیت کریمہ ”ولہم عذاب عظیم“ (۱۳۵) کی تفسیر میں ”عذاب“ کی تحقیق و تعریف

میں فرماتے ہیں: ”عذاب وہ چیز ہے جو انسان کو اس کا مقصود حاصل کرنے سے روک دے، اسی سے ”ماء العذب“ (بیٹھا پانی) ہے اس لئے کہ وہ بھی پیاس کو روک دیتا ہے“۔ (۱۳۶)

### نحوی و صرفی مباحث

بحوی اپنی تفسیر میں حسب موقع و مقام صرفی و نحوی مسائل بھی ذکر کرتے ہیں مگر

اس میں مبالغہ آمیزی نہیں کرتے بلکہ اختصار کا اسلوب اختیار کرتے ہیں۔ مثلاً آیت کریمہ

”والراسخون فی العلم یقولون آمنا بہ“ (۱۳۷) کی تفسیر میں فرماتے ہیں :- ”اس آیت

کی ترکیب میں علماء کا اختلاف ہے ایک گروہ اس کا قائل ہے کہ ”والراسخون“ میں واؤ

عطف کی ہے، اس وقت آیت کا معنی یہ ہوگا کہ تشبیہات کا مفہوم اللہ تعالیٰ جانتے ہیں

اور راسخ علماء بھی جانتے ہیں۔ یہ قول مجاہد اور ربیع کا ہے اس صورت میں ”یقولون“ حال

واقع ہوگا۔ یعنی علماء راسخین یہ کہتے ہوئے تشابہات کا علم رکھتے ہیں کہ ہم اس پر (پورے قرآن پر) ایمان لائے، اس کی نظیر یہ آیت کریمہ ہے۔ ”ما افاء الله على رسوله من اهل القرى فلله وللرسول ولذی القربی“۔ اس کے بعد یہ آیت ہے ”للفقراء المهاجرین الذین اخرجوا من ديارهم۔ والذین تبوءوا الدار والايمان من قبلهم“۔ آخر میں فرمایا ”والذین جاؤ من بعدهم“ اور یہ ما قبل پر عطف ہے اس کے بعد ارشاد ہے ”يقولون ربنا اغفر لنا“۔ (۱۳۸) یعنی وہ ”فی“ کا استحقاق رکھتے ہوئے یہ کہتے ہیں ”ربنا اغفر لنا“ (یعنی يقولون جملہ حالیہ ہے) اور اکثر علماء کا خیال ہے کہ ”والراسخون“ میں واو استیناف کلام کے لئے ہے اور گذشتہ کلام ”وما یعلم تأویلة الا الله“ (۱۳۹) پر ختم ہو گیا اور کسائی، قراء اور انفس کے نزدیک یہی قول پسندیدہ ہے۔ (۱۵۰)

ارشاد ربانی ”والقرآن المجید“ (۱۵۱) کی ترکیب میں جواب قسم کے بارے میں ائمہ کے مختلف اقوال نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس کے جواب قسم کے بارے میں اختلاف ہے، اہل کوفہ کے نزدیک جواب قسم ”بل عجبوا“ (۱۵۲) ہے اور بعض کے نزدیک جواب قسم مخدوف ہے یعنی ”والقرآن المجید“ (تبعثن) اور بعض فرماتے ہیں، ”ما یلفظ من قول“ (۱۵۳) ہے اور بعض کے ہاں ”قد علمنا“ (۱۵۴) ہے۔ بعد ازاں بغوی نے قرآن حکیم میں وارد ہونے والے جواب قسم کی سات انواع ذکر کی ہیں۔ فرماتے ہیں، جواب قسم سات ہیں:

- ۱۔ ان مہذوۃ۔ جیسے ”والفجر ولیل عشر“ (۱۵۵) کا جواب قسم ”ان ربک لبالمصر صاد“ ہے۔ (۱۵۶)
- ۲۔ مانفی جیسے ”والضحی“ (۱۵۷) کا جواب قسم ”ما ودعک ربک“ (۱۵۸) مذکور ہے۔
- ۳۔ اور لام مفتوحہ جیسے فور ربک لنستغلتہم اجمعین“۔ (۱۵۹)
- ۴۔ اور ان تھفہ۔ جیسے ”تا لله ان کنا لفی ضلال مبین“۔ (۱۶۰)

۵۔ اور ”لا“ جیسے ارشاد ربانی ہے ”واقسموا بالله جهد ايمانهم“ (۱۶۱) کا جواب قسم  
”لا يبعث الله من يموت“ (۱۶۲) ہے۔

۶۔ اور ”قد“ جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے، ”والشمس وضحاها“ (۱۶۳) کا جواب قسم ”قد  
افلح من زكها“ (۱۶۴)۔

۷۔ اور ”بل“ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ”والقرآن المجید“ (۱۶۵) (اس کا جواب  
قسم ”بل عجبوا“ (۱۶۶) ہے)۔

مولف بعض کلمات کی نحوی حیثیت واضح کرتے وقت عربی اشعار سے بھی استشاد  
کرتے ہیں۔ مثلاً تاللا تفتؤ تذکر یوسف“ (۱۶۷) کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ”(یعقوب)  
مسلل یوسف کو یاد کرتے رہے ان کی محبت میں انقطاع پیدا نہ ہوا۔ عرب جب کہتے ہیں:  
”ما فتى يفعل كذا“ تو معنی یہ ہوتے ہیں: ”ما زال يفعل“۔ (یعنی مسلسل کرتا رہا) اور  
”تفتؤ“ سے قبل لا مخذوف ہے جیسے امر و انیس کا شعر ہے:-

فقلتُ يمینُ اللہ ابرح قاعدأ ولو قطعوا رأسی مدیک وأوصالی

(یعنی میں نے کہا: خدا کی قسم میں ہمیشہ بیٹھا رہوں گا اگرچہ وہ لوگ میرے سر اور  
جوڑوں کو تیرے پاس کاٹ ڈالیں) اس شعر میں ”ابرح“ سے قبل لا مخذوف ہے یعنی  
”لا ابرح“۔ (۱۶۸)

بعض مواقع پر کسی آیت کی تفسیر میں ضمناً کوئی نحوی قاعدہ بھی ذکر کر دیتے ہیں۔  
مثلاً آیت ”غیر المغضوب علیہم ولا الضالین“ (۱۶۹) کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ یہاں ”غیر“  
بمعنی ”لا“ ہے اور ”لا“ بمعنی ”غیر“ ہے۔ اسی بناء پر ”لا“ کا عطف اس پر (یعنی غیر) پر  
جائز ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے۔ ”فلاں غیر محسن ولا مجمل“۔ جب ”غیر“ بمعنی ”سوئی“  
ہو تو اس پر ”لا“ کے ساتھ عطف درست نہیں جیسے ”عندی سوی عبدالله ولا  
زید“۔ (۱۷۰)



بعض کلمات کے اعراب کی بھی وضاحت کرتے ہیں، بالخصوص جہاں کسی قسم کا اہتمام یا التباس ہو جیسے ”بہا بل ہاروت و ماروت“ (۱۷۱) کی ترکیب میں ”ہاروت و ماروت“ کا اعراب ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”ہاروت و ماروت ملکن“ کا عطف بیان ہونے کی بناء پر مجرور ہیں مگر (اسباب منع صرف) عجمہ اور معرفۃ ہونے کی بناء پر منصوب ہیں۔ (۱۷۲)

بعض کلمات کا ماژہ اشتقاق، تعلیل اور اوزان کا بھی ذکر فرماتے ہیں، مثلاً توراۃ کے بارے میں لکھتے ہیں: ”بہریوں کے نزدیک اس کی اصل ”دوریۃ“ ہے، بروزن فوعلة مثل دوخلة و حوقلة۔ پھر اس کی تعلیل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ پہلی واؤ کو تاء میں تبدیل کر دیا گیا اور یاء مفتوح کو الف بنا دیا تو ”توراۃ“ ہو گیا۔ اور کوئی کہتے ہیں کہ یہ اصل میں تعلقہ کے وزن پر ہے مثل توحیۃ ولوفیۃ۔ پھر لغت طے کے موافق ”یاء“ کو الف میں بدل دیا (جس سے یہ لفظ توراۃ بن گیا) اس لئے کہ عرب ”جاریۃ“ کو ”جاراۃ“ اور ”ناصیۃ“ کو ”ناصاۃ“ بولتے ہیں۔ (۱۷۳)

### مباحث متعلقہ قراءت

امام موصوف نے اپنی تفسیر میں مختلف قرائتیں ذکر کرنے کا خصوصی اہتمام کیا ہے۔ بعض مواقع پر علم القراءت سے متعلق مباحث کو تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ یہ خصوصی اہتمام اس بناء پر ہے کہ بغوی کا شمار علم القراءت کے ائمہ میں ہوتا ہے۔ ملا علی القاری فرماتے ہیں: ”کان ماہراً فی علم القراءۃ“ علم القراءۃ (۱۷۴) پر ”الکفایۃ“ کے نام سے آپ نے ایک کتاب بھی تحریر کی تھی جو آپ کی بعض دیگر کتابوں کی طرح دستبرد زمانہ کی نذر ہو گئی۔ تفسیر بغوی میں علم القراءت سے متعلق مصادر مشہور قراء کی طرف منسوب ہیں اور ان کی قراءت کے جواز پر علماء کا اتفاق ہے۔ (۱۷۵)

بغوی دوران تفسیر مختلف قراءتوں کا ذکر کرتے ہیں اور اختلاف قراءت کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے اختلاف معانی کی وضاحت کرتے ہیں مثلاً:

آیت کریمہ ”ان یمسککم قرح“ (۱۷۶) میں اختلاف قراءت کا ذکر کرتے ہوئے

فرماتے ہیں، حمزہ، کسائی اور ابو بکر کی قراءت ”قروح“ بہم قاف ہے اور دوسروں کی قراءت فتح کے ساتھ ہے۔ یہ دونوں لغات درست ہیں اور معنی دونوں کا ایک ہے جیسے جہد اور جہد اور قراءت کہتے ہیں فتح کی صورت میں اس کا معنی زخم کا ہے اور ضمہ کی صورت میں زخم کی تکلیف مراد ہے۔ (۱۷۷)

بغوی بعض قراءتوں کو بعض پر ترجیح بھی دیتے ہیں مثلاً صراط الذین انعمت علیہم (۱۷۸) میں لفظ ”صراط“ کے بارے میں فرماتے ہیں: ”قری بالسين رواہ رویس عن يعقوب و هو الاصل، مسمى سراطا لانه يسرط السابلة، ويقرا بالزاي وقرأ حمزة بأشمام الزاي و كلها لغات صحيحة والاختيار الصادعند اكثر القراء لموافقة المصحف“۔ (۱۷۹)

کبھی ایک ہی کلمہ کی متعدد قراءتیں ذکر کرتے ہیں لیکن معنی میں ترجیح نہیں دیتے۔ مثلاً ارشاد باری ہے: ”ولقد اضلّ منكم جبلا“۔ (۱۸۰) اس میں چار قراءتیں ذکر کی ہیں۔

۱۔ یہ قرأت الہی مدینہ اور عاصم کی ہے۔ باء اور جیم کے کسرة اور تشدید لام کے ساتھ یعنی جبلا۔

۲۔ جیم اور باء کے ضمہ اور تشدید لام کے ساتھ یعنی جبلا۔ یہ قرأت یعقوب کی ہے۔

۳۔ جیم کے ضمہ اور باء کے سکون اور لام کی تخفیف کے ساتھ جبلا۔ یہ قرأت عامر

اور ابو عمرو کی ہے، چوتھی قرأت جیم اور باء کے ضمہ اور لام کی تخفیف کے ساتھ

یعنی جبلا۔ بغوی فرماتے ہیں یہ سب لغات درست ہیں اور ان کے معنی مخلوق اور

جماعت کے آتے ہیں۔ (۱۸۱)

بعض مقامات پر کلمات کی مختلف قراءتیں ذکر کرتے ہوئے اشعار عرب سے بھی

استشاد کرتے ہیں مثلاً ”جبریل“ کی مختلف قراءتیں ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں، ابن کثیر نے

”جبریل“ فعلیل کے وزن پر جیم کے فتح کے ساتھ بغیر حمزہ کے پڑھا ہے۔ پھر بطور استشاد

حسان کا یہ شعر نقل کیا ہے۔

وَجِبْرِيلَ رَسُولَ اللَّهِ فِينَا      وَرُوحَ الْقُدُسِ لَيْسَ لَهُ كِفَاءُ

اور حمزہ اور کسائی ”سلسبیل“ کے وزن پر پڑھتے ہیں (یعنی جبرئیل) اور ابو بکر جبرئیل  
 جیم اور راء کے فتح اور ہمزہ مکسورہ سے (یاء کے بغیر) پڑھتے ہیں اور باقی قراء نے بغیر ہمزہ  
 کسرہ جیم کے ساتھ پڑھا ہے (یعنی جبرئیل) اور ”میکائیل“ کی قراءت ابو عمر، یعقوب اور  
 حفص کے نزدیک ”میکال“ بغیر ہمزہ (اور بغیر یاء) ہے جریر کا شعر بطور استشہاد نقل کرتے  
 ہیں:-

عبدو الصلیب وکذبوا بمحمد      و جبرئیل وکذبوا میکال  
 اور ایک دوسرا شاعر کہتا ہے۔

و یوم بدر لقیناکم لنا مدد      فیہ مع نصر جبرئیل و میکال  
 اور نافع اور اہل مدینہ کی قراءت ہمزہ سے بغیر ساء کے ”میکال“ ہے اور باقی نے  
 ”میکائیل“ ہمزہ اور یاء سے پڑھا ہے۔ (۱۸۲)

### فقہی مباحث

امام بغوی آیات الاحکام کی تفسیر میں آیت سے متعلق فقہی احکام و مباحث کا کثرت  
 سے اہتمام کرتے ہیں، اس کی وجہ علم فقہ سے آپ کی خصوصی مناسبت اور اس میں خاص  
 مہارت ہے۔ مسلکاً آپ شافعی تھے۔ علماء نے آپ کا شمار کبار ائمہ شافعیہ میں کیا ہے۔ فقہ  
 شافعی پر آپ کی کتب ”العقدیب“، فتاویٰ بغویہ، اور ”الکفایۃ“ وغیرہ آپ کی فقہی مہارت پر  
 شاہد ہیں۔ تفسیر کے مطالعہ سے آپ کا جو فقہی اسلوب سامنے آتا ہے اس کی نمایاں  
 خصوصیات درج ذیل ہیں:-

۱۔ بغوی فقہی مسائل کی شرح و توضیح میں نصوص کتاب و سنت کو اساس و جیاد بناتے  
 ہیں اور ان سے مسائل کا استنباط کرتے ہیں، دلائل کے ذکر میں عقل سے زیادہ  
 نقل کو ترجیح دیتے ہیں، حدیث کے ساتھ کامل مناسبت کی وجہ سے بھرت سنت  
 سے استدلال کرتے ہیں، صحابہ و تابعین مثلاً عمر بن الخطابؓ، علیؓ، ابن عباسؓ، ابن  
 عمرؓ، ابن مسعودؓ، عائشہؓ، سفیان ثوریؓ، حسن بصریؓ، زہریؓ، اور اوزاعیؓ وغیرہ کی

آراء بھی ذکر کرتے ہیں اور بالخصوص فقہاء اربعہ شافعی، احمد، مالک اور امام ابو حنیفہؒ کے مسلک کی بھی وضاحت کرتے ہیں۔

۲۔ بغوی مسلکی تعصب سے بالاتر رہتے ہوئے تمام فقہاء کا ذکر ادب و احترام سے کرتے ہیں، بالخصوص امام ابو حنیفہؒ کا ذکر کرتے وقت اکثر و بیشتر رضی اللہ عنہ کا لاحقہ لگاتے ہیں۔ شافعیؒ ہونے کے باوجود نہ تو مسلک شافعی کی حمایت و دفاع اور دیگر مسالک کی تردید میں اپنا زور صرف کرتے ہیں اور نہ ہی دیگر فقہاء و ائمہ کے دلائل ذکر کرنے میں خلل سے کام لیتے ہیں اور یہ چیز آپ کی بے تعصبی پر بخوبی دل ہے۔

۳۔ تفسیر آیات میں آپ عموماً اختلاف فقہاء اور فقہی مذاہب و مسالک نقل کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے متدلالات کا بھی ذکر کرتے ہیں مگر حد اعتدال سے تجاوز نہیں کرتے مثلاً: آیت کریمہ ”واتموا الحج والعمرة لله“ (۱۸۳) کی تفسیر میں عمرہ کے وجوب یا سیت کے بارے میں فقہاء کا اختلاف نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں ”اکثر اہل علم عمرہ کے وجوب کے قائل ہیں اور یہی قول عمر، علی اور ابن عمر کا ہے اور عکرمہ ابن عباس سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے فرمایا: ”والله ان العمرة القرینة الحج فی الكتاب الله واتموا الحج والعمرة لله“۔ (خدا کی قسم کتاب اللہ میں عمرہ کو حج کا قرین اور شیل قرار دیا گیا ہے اور عطاء، طاؤس، مجاہد، حسن، قتادہ اور سعید بن جبیر بھی اس کے قائل ہیں اور ثوری اور شافعی کا بھی اصح قول کے مطابق یہی مسلک ہے اور ایک جماعت اس کی سیت کی قائل ہے۔ یہ قول جاہد کا ہے اور شعبی بھی اس کے قائل ہیں اور مالک اور اہل عراق کا یہی مسلک ہے، دوسرے علماء نے اس ارشاد ربانی کی یوں تفسیر کی ہے کہ جب تم عمرہ کے افعال شروع کرو تو پھر اسے پایہ تکمیل تک پہنچاؤ (یہ واجب ہے) لیکن عمرہ کا شروع کرنا نقل ہے (واجب نہیں) جو حضرات عدم وجوب کے قائل ہیں ان کی دلیل حضرت جلد بن عبداللہ کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ سے پوچھا گیا کہ کیا

عمرہ واجب ہے؟ تو آپ نے فرمایا نہیں مگر عمرہ کر لو تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے اور قول اوّل اصح ہے۔ پھر عمرہ کے وجوب پر حضور ﷺ سے ایک مرفوع اور لکن عمر سے موقوف حدیث نقل کی ہے۔ (۱۸۳) اسی طرح آیت کریمہ ”ومن كان مريضاً او على سفر فعدة من ايام اخر“ (۱۸۵) کی تفسیر میں ستر میں روزہ رکھنے کے متعلق ائمہ کا اختلاف مع دلائل نقل کیا ہے۔ (۱۸۶)

۴۔ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ مفسر موصوف جس مسلک کو اقویٰ سمجھتے ہیں صرف اس کی دلیل ذکر کر دیتے ہیں اور باقی سے سکوت اختیار کرتے ہیں، مثلاً اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف نقل کرتے ہیں کہ وضوء میں نیت کا حکم کیا ہے؟ تو فرماتے ہیں کہ اکثر اہل علم اس کے وجوب کے قائل ہیں اس لئے کہ وضوء ایک عبادت ہے جس طرح دیگر عبادات کے لئے نیت شرط ہے اسی طرح وضوء کے لئے بھی شرط ہے اور بعض فقہاء کے نزدیک نیت ضروری نہیں۔ (۱۸۷)

۵۔ عموماً اختلافی مسائل میں راجح مسلک کی تعیین نہیں کرتے مسالک یا دلائل کے نقل کرنے پر ہی اکتفا کرتے ہیں تاکہ قاری خود ان دلائل کی روشنی میں فیصلہ کر سکے کہ کون سا مسلک دلائل کے اعتبار سے اقویٰ اور اوفق للخص ہے۔ البتہ بعض مقامات پر کسی مسلک کو دلائل کے ساتھ ترجیح بھی دی گئی جیسے ”قرء“ بمعنی طہر کو احادیث اور لغت سے استشہاد کرتے ہوئے ترجیح دی ہے۔ (۱۸۸)

۶۔ بعض اوقات کسی فقہی مسئلہ میں ائمہ کے مختلف مسالک نقل کرنے کے بعد کسی ایک مسلک کے دلائل ذکر کرتے ہیں اور باقی سے سکوت اختیار کرتے ہیں اور اس سے شاید اس طرف اشارہ مقصود ہوتا ہے کہ یہ مسلک راجح ہے اور یہ چیز آپ کی بے تعصبی اور اخلاص پر بین دلیل ہے، مثلاً آیت کریمہ ”اولمستم النساء“ (۱۸۹) کی تفسیر میں حنفی مسلک (کہ مس مرآة ناقض وضوء نہیں) کی دلیل ذکر کر دی ہے اور باقی سے سکوت اختیار کیا ہے۔ (۱۹۰)

بہوی آیات الاحکام کی تفسیر میں آیات سے متعلق بعض ایسے ضمنی مسائل بھی ذکر فرماتے ہیں جو فقہاء کے نزدیک متفق علیہ ہوتے ہیں۔ بیشتر مقامات پر انہیں احادیث کے حوالے سے نقل کرتے ہیں۔ مثلاً آیت کریمہ ”والسارق والسارقة فاقطعوا ايديهما“ (۱۹۱) کی تفسیر میں اس مسئلہ کی وضاحت کرنے کے بعد کہ قطع ید کا حکم کتنی مالیت کی چوری پر لگایا جاتا ہے، آیت سے متعلق درج ذیل مسائل ضمناً ذکر فرماتے ہیں:-

۱۔ جب غیر محفوظ مقام سے چوری کرے تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، مثلاً ایسے باغ سے پھل چوری کرے جس کا کوئی محافظ نہ ہو یا وہ سامان جو ایسے گھر میں ہو جو الگ تھلک واقع ہو تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اور رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے، آپؐ نے فرمایا: ”لا قطع فی ثمر ولا فی خریسة جبل“۔ درخت پر لگے ہوئے پھل اور رسی کی چوری پر قطع ید کی سزا نہیں۔

۲۔ اور اگر پھل اتار لئے ہوں یا خشک کرنے کے مقام پر آگئے ہوں تو ڈھال کی قیمت کے برابر چوری کرنے پر ہاتھ کاٹا جائے گا۔

۳۔ اور حضرت جلدؓ سے مروی ہے آپؐ نے فرمایا: ”خائن، لوٹنے والے اور اچکے پر قطع ید نہیں۔“

۴۔ اور جب ایسا مال چوری کرے جس میں اس کی ملکیت کا شبہ ہو جیسے غلام اپنے آقا کا مال چرائے یا لڑکا اپنے والد کا یا والد اپنے لڑکے کا مال چرائے یا مال مشترکہ کے شرکاء میں سے کوئی ایک اس میں سے چرائے تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ (۱۹۲)

بعض اوقات کسی فقہی مسئلہ کی وضاحت کے سلسلے میں موضوع سے متعلق تمام قرآنی آیات ایک جگہ جمع کرتے ہیں جس سے مسئلہ بخوبی واضح ہو جاتا ہے۔ مثلاً آیت کریمہ ”والمطلقت یتربصن بانفسهن ثلثة قروء“ (۱۹۳) کی تفسیر میں حاملہ، غیر حاملہ، عیہ، مطلقہ، مدخول بہا اور مطلقہ غیر مدخول بہا عورتوں میں سے ہر ایک کی مدت عدت کا تعین مختلف آیات کو یکجا جمع کر کے نقل کر دیا ہے۔ فرماتے ہیں:

عورت جب حاملہ ہو تو اس کی عدت وضع حمل ہے چاہے تفریق طلاق کے ذریعے



## ۱۔ مسئلہ رویتِ باری تعالیٰ

معتزلہ کا عقیدہ ہے کہ رویتِ باری تعالیٰ نہ دنیا میں ممکن ہے نہ آخرت میں۔ اہل سنت کا مسلک یہ ہے کہ دنیا میں رویت ممکن نہیں جنت میں نصیب ہوگی اور مومنین کے لئے بڑی نعمت ہوگی۔ نبوی رویتِ باری سے متعلق قرآنی آیات کی تفسیر میں مسلک اہل سنت کی خوب وضاحت کرتے ہیں، مثلاً

آیت کریمہ ”قال رب ارنی انظر الیک قال لن ترانی“ (۱۹۹) کی تفسیر میں نبوی

نے رویتِ باری کے اثبات اور مسلک معتزلہ کی پرزور تردید کی ہے۔ فرماتے ہیں، وہ حضرات جو رویتِ باری کی نفی کرتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ”لن ترانی“ فرمایا ہے اور ”لن“ کا لفظ تائید کے لئے (یعنی تو مجھے کبھی نہیں دیکھے گا) ان کا یہ استدلال درست نہیں معنی آیت کا یہ ہے ”لن ترانی فی الدنیا او فی الحال“ اس لئے کہ وہ فی الحال رویت کا مطالبہ کرتے تھے اس کی نفی ہے اور یہاں ”لن“ تائید کے لئے نہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے یہود کے متعلق فرمایا ہے۔ ”لن یتمنوه ابدًا“ (۲۰۰) (اس کا یہ مطلب نہیں کہ کبھی موت کی تمنا نہیں کریں گے)، آخرت میں وہ موت کی تمنا کریں گے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ”ونادوا یا مالک لیقض علینا ربک“۔ (۲۰۱) اور فرمایا ”یا لیتھا کانت القاضیة“ (۲۰۲)۔ اور اس پر دلیل یہ ہے کہ موسیٰ کے رویت کے مطالبہ پر اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف جبل کو منسوب نہیں کیا اور نہ یہ کہا کہ میرا دیکھنا محال ہے، تاکہ معتزلہ اس سے حجت پکڑتے بلکہ رویت کو استقرارِ جبل سے مشروط کر دیا اور استقرارِ جبل جب محال نہیں تو رویت جو کہ استقرارِ جبل سے مشروط ہے وہ بھی محال نہیں۔ (۲۰۳)

آیت کریمہ ”لاتدرکہ الابصار و هو یدرکہ الابصار“ (۲۰۴) کی تفسیر میں

فرماتے ہیں کہ رویت کے معنی دیکھنے کے ہیں اور ”اوراک“ کے معنی ہیں کسی چیز کی حقیقت کو پا لینا اور اسے ہر طرف سے گھیر لینا اور رویت بغیر اوراک کے بھی ہو سکتی ہے جیسا کہ موسیٰ کے قصہ میں ہے۔ ”فلما تراء الجمعان قال اصحب موسیٰ انا لمدرکون“ (۲۰۵)



اس میں اور اک کی تو نفی ہے مگر (طرفین سے) رویت کا ثبوت ہے، پھر اس تفسیر کی تائید میں بغوی نے سعید بن المسیب، عطاء، لکن عباس اور مقاتل کے اقوال پیش کئے ہیں۔ (۲۰۶)

اسی طرح آیات ”للذین احسنوا الحسنیٰ و زیادۃ“ (۲۰۷) اور ”وجوه یومئذ ناضرة الی ربہا ناظرة“ (۲۰۸) کی تفسیر میں بھی اہل سنت کا مسلک دلائل کے ساتھ پیش کیا ہے۔ (۲۰۹)

## ۲۔ مسئلہ مرتکب کبار

معتزلہ اہل سنت کے برعکس مرتکب کبار کو ازلی جہنمی قرار دیتے ہیں اور خوارج کافر۔ بغوی اس سلسلے میں اہل سنت کا مسلک پیش کرتے ہیں کہ قاتل کی توبہ قبول ہے اور اکثر کا یہی مسلک ہے، اہل سنت کا مسلک بھی یہی ہے کہ وہ مسلمان جس نے عمداً قتل کیا ہو اس کی توبہ قبول ہے، اللہ تعالیٰ کے اس قول کی بناء پر ”وانی لغفار لمن تاب وامن و عمل صالحاً“ (۲۱۰) اور اس ارشاد کی بناء پر ”ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ و یغفر ما دون ذالک لمن یشاء“ (۲۱۱) لہذا اس آیت سے استدلال درست نہیں کہ مرتکب کبار دائمی جہنمی ہے اس لئے کہ آیت کریمہ ”ومن یقتل مؤمناً متعمداً فجزاؤہ جہنم خالد افیہا و غضب اللہ علیہ و لعنۃ واعدلہ عذاباً عظیماً“ (۲۱۲) اس قاتل کے بارے میں نازل ہوئی تھی جو کافر تھا اور اس کا نام مقیس بن صبابہ تھا۔ پھر بغوی نے اہل سنت و الجماعت کی طرف سے آیت مذکورہ کی مزید تاویلات بھی کی ہیں۔ مثلاً اس وعید کا اس شخص کے لئے ہونا جو کسی مومن کو اس کے ایمان کے سبب اس کا قتل جائز سمجھتے ہوئے مار ڈالے۔ یہ کفر ہے۔ یا یہ کہ مذکورہ سزا اس کی سزا ہے، اگر اللہ تعالیٰ اسے سزا دے مگر (اسے اختیار ہے) چاہے تو یہ سزا دے چاہے تو معاف کر دے۔ بعد ازاں بغوی نے اہل سنت مسلک کی تائید و توضیح میں چند احادیث و آثار بھی نقل کئے ہیں۔ (۲۱۳)

## ۳۔ مسئلہ شفاعت

معتزلہ قیامت کے دن شفاعت کے منکر ہیں۔ بغوی نے آیت کریمہ عسیٰ ان یبعثک ربک مقاماً محموداً<sup>(۲۱۳)</sup> کی تفسیر میں معتزلہ کے اس مسلک کی تردید کرتے ہوئے آنحضرت ﷺ کے مقام محمود اور بروز قیامت ان کی شفاعت کے اثبات کے متعلق سات احادیث نقل کی ہیں، فرماتے ہیں کہ شفاعت سے متعلق روایات متواتر ہیں اور کثرت سے منقول ہیں اور سب سے پہلے جس نے شفاعت کا انکار کیا وہ عمرو بن عبید تھا اور یہ شخص اہل سنت کے نزدیک بالاتفاق مبتدع ہے۔<sup>(۲۱۵)</sup>

## ۴۔ مسئلہ استغفار انبیاء

آیت کریمہ ”واستغفر اللہ“<sup>(۲۱۶)</sup> کی تفسیر میں بغوی نے ان لوگوں کے مسلک کی پرزور تردید کی ہے جو انبیاء سے صدور گناہ کو جائز سمجھتے ہیں اور آپ کو استغفار کا حکم دیئے جانے کی یہ توجیہ کرتے ہیں کہ بعد از نبوة انبیاء کے استغفار کی تین صورتیں ہیں:-

- ۱۔ نبوت سے پہلے کے گناہ کے لئے استغفار ہو۔
- ۲۔ اپنی امت اور قرامت داروں کے گناہوں کے لئے استغفار ہو۔
- ۳۔ اس مباح فعل کے لئے استغفار ہو جس کی حرمت آنے پر اسے چھوڑ دیا ہو۔ پس استغفار سے مراد ہے حکم شرع کو ماننا اور اطاعت کرنا۔<sup>(۲۱۷)</sup>

## ۵۔ مسئلہ خلود جنت

آیت کریمہ ”اکلھا دائم وظلھا“<sup>(۲۱۸)</sup> کی تفسیر میں جہمیہ کے اس نظریہ کی تردید کی ہے کہ جنت کی نعمتیں بلاآخر فنا ہو جائیں گی۔ فرماتے ہیں آیت کے معنی یہ ہیں ”اس کے پھل اور نعمتیں کبھی ختم نہیں ہوں گی اور اس کے سائے ہمیشہ رہیں گے“ اور اس آیت سے جہمیہ کی تردید ہو جاتی ہے جن کا کہنا ہے کہ جنت کی نعمتیں بلاآخر فنا ہو جائیں گی۔<sup>(۲۱۹)</sup>

## آیات الصفات

بنوی سلف کے اس عقیدہ سے اتفاق رکھتے ہیں کہ آیات صفات کو ان کے ظاہر پر محمول کیا جائے مگر اس کے ساتھ ساتھ تشبیہ و تجسیم کے عقیدہ کی مخالفت کرتے ہیں اور ان لوگوں کی تردید کرتے ہیں جو ذات باری کو انسانوں کے مماثل قرار دیتے ہیں، مثلاً آیت کریمہ ”بل یداہ مبسوطتان“ (۲۲۰) کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ”اللہ کا ہاتھ ہونا بھی سبوح، بصر، اور وجہ کی طرح اللہ کی ایک مخصوص صفت ہے جس کی حقیقت کو سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا۔ ہمدوں پر اسے ماننا اور ایمان لانا لازم ہے۔ اہل سنت کے ائمہ سلف کا قول ہے کہ ان صفات کا جس طرح ذکر آیا ہے اسی طرح مانا جائے اور کسی کیفیت کا بیان نہ کیا جائے۔“ (۲۲۱)

آیت کریمہ ”ثم استوی علی العرش“ (۲۲۲) کی تفسیر میں استواء علی العرش کے متعلق اولاً تو معتزلہ کی پیش کردہ تاویل نقل کی ہے پھر آیت سے متعلق اہل سنت کے مسلک کی وضاحت کی ہے معتزلہ کا استواء کی تاویل استیلاء اور تسلط کے ساتھ کرنا درست نہیں بلا کیف اس پر ایمان واجب ہے اس کی حقیقت کا علم اللہ کے سپرد کرنا چاہیے۔ حضرت مالک نے استواء کی حقیقت پر جو خوبصورت بات ارشاد فرمائی ہے اس کا بھی حوالہ دیا ہے کہ ”استواء“ (کا معنی) محمول نہیں اور اس کی کیفیت معلوم نہیں اس کے بارے میں سوال کرنا بدعت اور اس پر ایمان لانا واجب ہے، سفیان ثوری، اوزاعی، لیث، سفیان بن عیینہ، اور عبداللہ بن مبارک وغیرہ علماء اہل سنت سے آیات و صفات و تشبیہات کے متعلق یہی مروی ہے کہ ان کا ذکر جس طرح آیا ہے اسی طرح انہیں بلا کیف مانا جائے۔“ (۲۲۳)

ان مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ بنوی اپنے دور کے مابہ النزاع کلامی مسائل سے پہلو چانے کی کوشش نہیں کرتے بلکہ اس میں بھرپور حصہ لیتے ہوئے اس امر کی حتی الوسع کوشش کرتے ہیں کہ مخالفین کے عقائد و افکار کے بالتقابل اہل سنت کے معتقدات کا تحفظ کیا جائے اور مسلک حقہ کی قرآن و سنت اور سلف کے اقوال کے حوالے سے ترجمانی کی جائے۔

تفسیر کے اسلوب پر بحث کے بعد ہم ان نمایاں خصوصیات کا ذکر کرتے ہیں جن کی بناء پر معالم التنزیل کو کتب تفسیر میں نمایاں مقام حاصل ہے اور جن امتیازی خوبیوں کے باعث اہل علم کے ہاں متداول رہی ہے۔

### خصوصیات معالم التنزیل

معالم التنزیل کتب تفسیر میں اپنی نمایاں خصوصیات کی بناء پر منفرد مقام رکھتی ہے۔ کتاب ہذا کے چند اہم محاسن و خصوصیات درج ذیل ہیں۔

۱۔ تفسیر بغوی کا شمار ابتدائی کتب تفسیر میں ہوتا ہے۔ اگرچہ صاحب تفسیر قرن خامس کے علماء سے تعلق رکھتے ہیں اور ان سے پہلے بھی تفسیر کے موضوع پر متعدد کتابیں سامنے آچکی تھیں مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ قرن ثانی کی تفاسیر تفسیر ثوری و ابن عیینہ وغیرہ کی حیثیت مستقل اور جداگانہ تفسیر کی نہیں تھی، اس لئے کہ ان کے مولفین علماء حدیث میں سے تھے اور وہ تفسیری اقوال کو احادیث نبویہ کے ضمن میں جمع کرتے تھے پھر ان کے یہ مجموعے دستبرد زمانہ سے محفوظ نہ رہ سکے اور ضائع ہو گئے۔ بعد کے ادوار میں تفسیر نے اگرچہ جداگانہ علم کی حیثیت اختیار کی مگر تفسیر بغوی کو ان تفاسیر پر ماسوائے قلیل تفاسیر (مثلاً تفسیر ابن جریر طبری ۳۱۰ھ اور تفسیر ثعلبی ۴۲۷ھ) کے شرف تقدم حاصل ہے۔ اور جب ہم دیکھتے ہیں کہ مذکورہ ہر دو تفاسیر انتہائی مفصل اور ضخیم ہیں اور ان میں علمی مسائل کے ذکر و بیان میں انتہائی طوالت سے کام لیا گیا ہے تو تفسیر بغوی کی اہمیت اور قدر و منزلت اس اعتبار سے مزید بڑھ جاتی ہے کہ یہ تفسیر تفاسیر متوسط میں شمار ہونے کی بناء پر اپنے طرز کی اولین تفسیر ہے۔

۲۔ تفسیر بغوی کا شمار اہم کتب مآثورہ میں ہوتا ہے اور تفسیر قرآن کے سلسلے میں یہ کتاب اسی اسلوب کی حامل ہے جو مفسرین کے ہاں سب سے عمدہ اور پسندیدہ سمجھا جاتا ہے چنانچہ بغوی جب کسی آیت کی تفسیر کرنا چاہتے ہیں تو اولاً اسی مضمون کی مختلف مقامات پر منتشر آیات یا دیگر تشریح و توضیح کرنے والی آیات کی روشنی میں

اس کا معنی و مفہوم ذکر کرتے ہیں۔ پھر آیت کی تفسیر میں احادیث نبویہ کے ذریعے کثرت سے استشہاد کرتے ہیں جو علم حدیث میں آپ کی وسعت علمی پر شاہد ہیں۔ بعد ازاں صحابہ و تابعین اور ائمہ مجتہدین کے آثار و اقوال نقل کرتے ہیں اور کلمات و آیات قرآنی کی تشریح و توضیح میں لغت عرب وغیرہ سے بھی استدلال کرتے ہیں۔ اس سلسلہ کی مثالیں اسلوب تفسیر کے عنوان کے تحت ذکر کی جا چکی ہیں۔

۳۔ بغوی محدثین کے طرز پر احادیث نقل کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے سلاسل اسناد بھی ذکر کرتے ہیں اور بعض احادیث کے صحیح، حسن کا درجہ بھی متعین کرتے اور غریب یا ضعیف ہونے کی نشاندہی بھی کرتے ہیں۔ (۲۲۳) اگرچہ بعض احادیث کے نقل کرنے میں یہ التزام نظر نہیں آتا۔ صرف صحابی کے نام ہی پر اکتفا کرتے ہوئے بلا سند بھی حدیث نقل کر دیتے ہیں۔ البتہ صحابہ و تابعین وغیرہ کے آثار و اقوال کو بلا سند نقل کرتے ہیں مثلاً یوں کہتے ہیں: ”قال ابن عباس کذا وکذا و قال مجاهد کذا وکذا“۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے ان تک پہنچنے والے طرق اسناد مقدمہ تفسیر میں ذکر کر دیئے ہیں تاکہ بوقت ضرورت ان کی طرف رجوع کیا جاسکے۔ چنانچہ اسناد کے عدم تکرار سے کتاب کی ضخامت کم ہونے میں بھی بڑی مدد ملی ہے۔ نیز قاری تفسیح اوقات کے ساتھ تکلیف اور آکٹاہٹ کا شکار نہیں ہوتا۔

۴۔ تفسیر بغوی کتب ماثورہ میں شمار ہونے کے ساتھ ساتھ متنوع پہلوؤں کی بھی حامل ہے، جہاں کسی آیت کی تفسیر میں ضرورت کا تقاضا ہوتا ہے وہاں لغوی، صرفی اور فقہی مباحث بھی ذکر کرتے ہیں۔ آپ نے ان تمام علوم کو اختصار و جامعیت کے ساتھ تفسیر میں جمع کر دیا ہے۔

۵۔ بعض دیگر تفاسیر کی نسبت اس پر کوئی خاص رنگ غالب اور نمایاں نہیں مثلاً احکام القرآن للجصاص اور الجامع لأحكام القرآن للقرطبی فقہی پہلو کی حامل ہیں۔ ابو حیان

کی تفسیر ”المحرر المحیط“ پر نحوی علوم کا غلبہ ہے جب کہ رازی کی ”مفتاح الغیب“ پر فلسفہ اور علم الکلام کا رنگ نمایاں ہے۔ تفسیر بغوی کسی ایک مخصوص رجحان کی نمائندگی کرنے کے جائے اختصار، اعتدال اور جامعیت کو مد نظر رکھتے ہوئے ان تمام پہلوؤں کا بھرپور احاطہ کرتی ہے جو فہم قرآن کے لئے ضروری ہیں۔

۶۔ بغوی اپنی تفسیر میں علوم القرآن سے متعلق مباحث بھی ذکر کرتے ہیں۔ مثلاً اسباب نزول، سببی و مدنی آیات و سور اور ناسخ و منسوخ وغیرہ سے متعلق احاث (جن کا علم مفسر کے لئے بیادای حیثیت رکھتا ہے) پر مختصر روشنی ڈالتے ہیں۔ اس سلسلے میں آپ کا اعتماد سلف کے آثار و اقوال ہیں۔ گاہے اپنی رائے کا بھی اظہار کر دیتے ہیں۔ (۲۲۵)

۷۔ آیات الاحکام کی تفسیر میں بغوی فقہاء کے اختلافی اقوال، ان کے مسالک و مذاہب اور دلائل و براہین کا بھی فصیحی ذکر کرتے ہیں مگر بعض دیگر مفسرین کی طرح اس میں حد سے تجاوز نہیں کرتے، اعتدال کے دائرہ میں محدود رہتے ہیں۔

۸۔ تفسیر کی ایک اہم خوبی یہ ہے کہ اس میں کسی خاص مسلک کی رعایت نہیں کی گئی۔ اگرچہ بغوی مسلک شافعی ہیں مگر اپنے مسلک کے دفاع میں بھندہ گیر مفسرین کی طرح غلو و تعصب سے کام نہیں لیتے جیسے جصاص کا اپنی تفسیر احکام القرآن میں حیضیت کے اثبات میں غلو حتیٰ کہ بعض فقہاء و مجتہدین کی تنقیص اور بعض آیات کی تاویل کر کے انہیں اپنے فقہی مسلک سے ہم آہنگ کرنے کی سعی و کوشش، اسی طرح ”الکلیا ہر اسی“ کا ”احکام القرآن“ آیات الاحکام کی تفسیر فقہ شافعی کے قواعد کی روشنی میں کرنا اور اس بات کی امکانی کوشش کرنا کہ آیت کی تاویل اس انداز سے کی جائے کہ مخالف اس سے استدلال نہ کر سکے۔ اس کے برعکس بغوی نے نہ تو مسلک شافعی کی حمایت و دساع اور دیگر مسالک کی تردید میں اپنا زور صرف کیا ہے اور نہ ہی دیگر فقہاء و ائمہ کے دلائل ذکر کرنے میں حیل سے کام لیا ہے اور یہ چیز آپ کی بے تعصبی پر خوبی دال ہے۔

۹۔ بغوی تفسیر قرآن کے طالب علم کے لئے ایسا اسلوب اختیار کرتے ہیں جس سے مراد الہی مخلوقی واضح ہو جائے اور کسی قسم کا کوئی اشکال و ابہام نہ رہے۔ بعض اوقات قاری کی سہولت کے لئے خود ہی نظم قرآن پر اشکال وارد کرتے ہیں اور خود ہی اس کا جواب بھی دیتے ہیں اور یہ طریقہ توضیح و تفہیم قرآن کے سلسلے میں انتہائی موزوں ہیں۔ اس قسم کی متعدد مثالیں تفسیر میں موجود ہیں۔ (۲۲۶)

۱۰۔ بغوی بعض اوقات کسی آیت کی تفسیر کے ضمن میں اہم فوائد پر ”علم“ کے ساتھ متنبہ فرماتے ہیں جو اہم علمی، ادبی و تحقیقی مباحث و مسائل پر مشتمل ہوتے ہیں۔ مثلاً سلام کی مشروعیت، (۲۲۷) تیمم کا اس امت کے خصائص میں سے ہونا، (۲۲۸) دیت کی انواع و اقسام، (۲۲۹) وغیرہ مباحث لفظ ”علم“ کے ساتھ نقل کئے ہیں۔

مذکورہ محاسن و خصوصیات کی بناء پر متعدد علماء نے تفسیر ہذا کی مدح و منقبت میں تعریفی کلمات کئے ہیں۔ خازن اپنی تفسیر کے مقدمہ میں معالم التنزیل کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

”من اجل المصنفات فی علم التفسیر واعلاها وأنبلها وأسناها  
جامعاً للصحيح من الاقاويل، عارياً من الشبه، والتصحيح  
والتبديل محلي بالاحاديث النبوية، مطرزا بالاحكام الشرعية  
موشى بالقصص العربية واخبار الماضين العجيبة، مرصعاً  
بأحسن الاشارات مخرجاً بأوضح العبارات، مفرغاً في قالب  
الجمال بافصح المقال“۔ (۲۳۰)

(معالم التنزیل تفسیر کی نہایت بلند پایہ اور گراں قدر کتاب ہے۔ یہ صحیح اقوال کی جامع، احادیث نبویہ سے آراستہ اور احکام شرعیہ سے حیراستہ ہے۔ یہ ازمہ سہلہ کے عجیب و غریب واقعات سے مزین ہے، اس کی عبارات واضح، زبان فصیح اور حسن و جمال کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ہے)

امام لن تھیہ نے بھی اس تفسیر کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا ہے اور تفسیر ہذا کو بعض دیگر تفاسیر (مثلاً تفسیر زمخشری اور قرطبی) پر ترجیح دی ہے اور اسے ”اقرب الی الکتاب والسنة“ قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ کتاب احادیث موضوعہ اور بدعتی نظریات و افکار سے پاک ہے۔“ (۲۳۱)

لن تھیہ جیسے محقق و ناقد کی شہادت اس کتاب کی قدر و قیمت کو مزید اجاگر کر رہی ہے۔ اگرچہ ہمیں اس رائے سے پورا اتفاق نہیں کیونکہ مذکورہ تفسیر اسرائیلیات و موضوعات سے بالکلیہ پاک نہیں، تاہم بعض دیگر تفاسیر کی نسبت اس میں یہ تعداد انتہائی قلیل ہے۔ حیثیت مجموعی یہ تفسیر اپنی متحد خوبیوں کی بناء پر بلاشبہ تفاسیر ماثورہ میں اہم مقام کی حامل ہے اور ہر دور میں اہل علم کے ہاں مقبول رہی ہے، کہاں مفسرین و علماء نے اس سے استفادہ کیا، اس پر اضافے کئے اور اس کی تحقیقات لکھیں۔ (۲۳۲) ہم اس مقالے کا اختتام دکتور ذہبی کی اس معتدل رائے پر کرتے ہیں جس کا اظہار انہوں نے ”التفسیر والمفردون“ میں تفسیر بھوی پر کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

و علی العموم فالکتاب فی جملته احسن واجمل واسلم من  
کثیر من کتب التفسیر بالماثور وهو متداول بین اهل العلم“

### تعلیقات و حواشی

- ۱۔ امام بھوی کے مفصل حالات کے لئے دیکھئے راقم کا پی ایچ۔ ڈی مقالہ بعنوان ”امام بھوی کی خدمات تفسیر و حدیث۔ تحقیقی جائزہ“۔ ادارہ علوم اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی (۱۳۱۱ھ / ۱۹۹۱ء)
- ۲۔ السخی: ”طبقات الشافعیہ الکبریٰ“۔ (بیروت، دار المعرفۃ۔ س۔ ن) ج ۳، ص ۲۱۳
- ۳۔ السیوطی: ”طبقات المفسرین“۔ (بیروت۔ دارالکتب، ۱۹۸۳ء) ص ۳۸
- ۴۔ ذہبی: ”سیر اعلام النبلاء“۔ (بیروت، موسسة الرسالة، ط ۱، ۱۳۰۰-۱۳۰۲ھ) ج ۱۹، ص ۳۳۱
- ۵۔ بھوی: ”معالم التنزیل“۔ (بیروت، دار المعرفۃ۔ ۱۳۰۶ھ / ۱۹۸۶ء) ج ۱ ص ۲۷
- ۶۔ ایضاً۔ ص ۲۷-۲۸



- ۷۔ دیکھئے۔ حاجی خلیفہ، "کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون" (بیروت، مکتبہ المثنیٰ-س.ن) ج ۲ ص ۲۶، ۱۷۲، طاش کبری زاہد: "مقارح السعادة و مصباح السیادة"۔ (القاهرة۔ دارالکتب الحدیث۔ س۔ن) ج ۲ ص ۱۰۲
- ۸۔ معالم التعزیل: ۳۱/۱ ایضاً ۲۸-۳۱
- ۹۔ ایضاً ۳۶-۳۱
- ۱۰۔ ایضاً ۳۱-۲۸
- ۱۱۔ ایضاً ۳۰
- ۱۲۔ ایضاً ۳۱
- ۱۳۔ ایضاً ۳۰
- ۱۴۔ ایضاً ۳۱
- ۱۵۔ ایضاً ۳۱
- ۱۶۔ ایضاً ۳۱
- ۱۷۔ مصاد فقہ، مصاد لغت، نحو صرف کے عنوانات ہم نے خود قائم کئے ہیں ہوی نے ان کا ذکر مقدمہ میں نہیں کیا۔
- ۱۸۔ دیکھئے۔ معالم التعزیل: ۳۹/۱، ۳۵/۲، ۳۶، ۳۶۰/۳
- ۱۹۔ ایضاً ۲۰۲/۱، ۳۵/۲، ۳۶۰/۳
- ۲۰۔ ایضاً، ۲۰۸/۱، ۴۳۷، ۳۶۰/۳
- ۲۱۔ ایضاً، ۸۵/۱، ۷۸، ۲۰۶، ۳۶۳/۳
- ۲۲۔ ایضاً، ۳۹/۱، ۱۹۲، ۲۲۶/۲، ۳۶۰/۳
- ۲۳۔ ایضاً ۱۸۳/۱، ۲۰۷، ۳۳۳/۳
- ۲۴۔ معالم التعزیل۔ ۱۰۹/۱
- ۲۵۔ ایضاً ۱۶۸/۱، ۲۰۳، ۲۳۸، ۳۳۲/۳
- ۲۶۔ ایضاً ۲۲۷/۲، ۲۲۷، ۳۸۹/۳
- ۲۷۔ ایضاً ۳۸/۱، ۳۹، ۳۸/۳
- ۲۸۔ ایضاً ۷۲/۱، ۸۸، ۳۰۸/۲
- ۲۹۔ ایضاً ۳۹/۳
- ۳۰۔ ایضاً ۷۸، ۳۷۲/۲، ۳۸۹/۳، ۳۸۰/۳
- ۳۱۔ ایضاً ۱۹۲/۱، ۲۲۶، ۳۳۳
- ۳۲۔ ایضاً ۲۳۳/۱، ۲۰۲، ۳۶۱/۳
- ۳۳۔ ایضاً ۷۲/۱، ۸۸، ۳۰۸/۲
- ۳۴۔ ایضاً ۳۹/۳
- ۳۵۔ ایضاً ۷۸، ۳۷۲/۲، ۳۸۹/۳، ۳۸۰/۳
- ۳۶۔ ایضاً ۱۹۲/۱، ۲۲۶، ۳۳۳
- ۳۷۔ ایضاً ۲۳۳/۱، ۲۰۲، ۳۶۱/۳
- ۳۸۔ ایضاً ۷۲/۱، ۸۸، ۳۰۸/۲
- ۳۹۔ ایضاً ۱۵۰/۱

۳۴۔ لکن حمیہ نے اسی رائے کا اظہار کیا ہے۔ دیکھئے لکن حمیہ: "مقدمة فی اصول التفسیر"۔

(لاہور۔ النسخۃ العلییہ، س۔ن) ص ۶۰

- ۳۵۔ الفاتحہ: ۷۔ ۳۶۔ المائدہ: ۶۰۔
- ۳۷۔ المائدہ: ۷۷، دیکھئے معالم التقریل: ۳۲/۱۔ ۳۸۔ المائدہ: ۷۳۔
- ۳۹۔ المائدہ: ۱۱۶، معالم التقریل: ۱۶۲/۲۔ ۵۰۔ الاعراف: ۳۲۔
- ۵۱۔ الحجر: ۱۳، معالم التقریل: ۱۶۲/۲۔ ۵۲۔ آل عمران: ۲۰۰۔
- ۵۳۔ الحجف: ۷۸۔ ۵۴۔ النساء: ۵۹۔
- ۵۵۔ معالم التقریل: ۲۸۰-۲۷۹/۱۔ ۵۶۔ البقرہ: ۲۶۔
- ۵۷۔ الحجف: ۵۰۔ ۵۸۔ معالم التقریل: ۵۹/۱۔
- ۵۹۔ ایضاً: ۳۱/۱۔ ۶۰۔ ایضاً: ۵۸/۱۔
- ۶۱۔ آل عمران: ۹۷۔ ۶۲۔ معالم التقریل: ۳۳۰/۱۔
- ۶۳۔ المائدہ: ۲۔ ۶۳۔ معالم التقریل: ۸/۲۔
- ۶۵۔ البقرہ: ۲۵۔ ۶۶۔ معالم التقریل: ۵۸-۵۷/۱۔
- ۶۷۔ البقرہ: ۷۴۔ ۶۸۔ معالم التقریل: ۸۷-۸۵/۱۔
- ۶۹۔ البقرہ: ۲۸۰۔ ۷۰۔ معالم التقریل: ۲۶۶/۱۔
- ۷۱۔ ایضاً: ۱۵-۱۴/۳۔ ۷۲۔ التمل: ۲۲۶-۲۲۴۔
- ۷۳۔ معالم التقریل: ۳۰۵-۳۰۳/۳۔

۷۴۔ مثلاً احادیث۔ "لما خلق الله تعالى آدم اشتكت الارض الي ربتها لما أخذ منها، فوعدها ان

يرتد فيها ما أخذ منها فما من أحد الا ويدفن في التربة التي خلق منها"۔ دیکھئے معالم

التقریل۔ ۸۱-۳۸۰۔ اور حدیث "کان بنو اسرائيل اذا كان لاحدهم خادم وامراه و دابة

يكتب ملكاً۔ دیکھئے معالم التقریل، ۲۳-۲۳/۲۔

۷۵۔ لکن حمیہ "مجموع فتاویٰ شیخ الاسلام"۔ ۳۵۳/۱۳۔

۷۶۔ دیکھئے معالم التقریل: ۵۶-۵۵/۳۔

۷۷۔ لکن حجر فرماتے ہیں۔ کان یقلب کلام الحسن فیجعلہ عن انس عن النبی ﷺ فلا تحل

الروایة عنه وقال النسائی والحاکم متروک الحدیث لیس بثقة وكان قاصاً و عن ابن

معین۔ و لیس حدیثہ بشئی، وقال شعبه لان اقطع الطريق احب الی من أروى عن یزید۔

وقال ایضاً، لان أرنی احب الی من ان احدث عن یزید الرقاشی"۔ دیکھئے لکن حجر: تہذیب

- التہذیب۔ (حیدر آباد، دائرۃ المعارف النظامیہ۔ ۱۳۲۵ھ) ج ۱۱ ص ۳۱۰۔ ۱۱
- ۷۸۔ الاحزاب: ۳۷۔ ۷۹۔ معالم التنزیل: ۵۳۱/۳
- ۸۰۔ فتح الباری: ۳۰۳/۸۔ ۸۱۔ کشف الظنون: ۱۷۲۶/۲
- ۸۲۔ ذہبی، محمد حسین: "التفسیر والمفردون" (بیروت، دارالکتب المرشد۔ ط ۲، ۱۹۷۶ء) ج ۱، ص ۸۰، مزید تفصیل کے لئے دیکھئے۔ ابو شہبہ: "الاسرائیلیات والموضوعات فی کتب التفسیر" (اللازم، مجمع البحوث الاسلامیہ ۱۳۰۳ھ) ۲۲۰
- ۸۳۔ دیکھئے، "الاسرائیلیات والموضوعات" لالی شہبہ ص ۲۰۶
- ۸۴۔ معالم التنزیل: ۲۸/۱
- ۸۵۔ دیکھئے۔ سیوطی: الاتقان فی علوم القرآن" (مصر، مطبعۃ معظی البانی الحلبی، ط ۳، ۱۳۹۸ھ) ج ۲، ص ۲۴۱
- ۸۶۔ دیکھئے۔ مثلاً "معالم التنزیل": ۴۸۳/۱، ۵۲/۳
- ۸۷۔ سیوطی: الدر المنثور فی التفسیر بالمأثور۔ (بیروت، دارالمعرفۃ۔ س۔ ن) ج ۶، ص ۲۲۳
- ۸۸۔ "الاتقان فی علوم القرآن": ۲۴۲/۲
- ۸۹۔ معالم التنزیل: ۱۵۷/۱، ۲۴۲/۲، ۳۳۹/۲
- ۹۰۔ ایضاً، ۱۵۷/۱، ۱۸۸/۳، ۶/۳، ۲۷۹/۳
- ۹۱۔ ایضاً: ۳۹۱/۱
- ۹۲۔ ایضاً: ۸۰/۱
- ۹۳۔ ایضاً، ۳۷/۱، ۲۱/۲، ۱۸۸/۳، ۲۲۳/۳
- ۹۴۔ ایضاً: ۳۳
- ۹۵۔ ایضاً: ۳۳
- ۹۶۔ البقرہ: ۳۱
- ۹۷۔ معالم التنزیل: ۶۱/۱
- ۹۸۔ البقرہ: ۱۲۵
- ۹۹۔ معالم التنزیل: ۱۱۲/۱
- ۱۰۰۔ ایضاً: ۱۷/۱
- ۱۰۱۔ الدر: ۲
- ۱۰۲۔ معالم التنزیل: ۳۶۶/۳، ۲۷
- ۱۰۳۔ معالم التنزیل: ۲۳/۱ (تقدیم الکتاب)
- ۱۰۴۔ ایضاً: ۳۷-۳۸
- ۱۰۵۔ معالم التنزیل: ۲۰۳-۲۰۴
- ۱۰۶۔ البقرہ: ۲۲۸
- ۱۰۷۔ معالم التنزیل: ۲۰۳-۲۰۴
- ۱۰۸۔ التوبہ: ۳۳
- ۱۰۹۔ معالم التنزیل: ۲۸۸/۲
- ۱۱۰۔ ابن کثیر: تفسیر القرآن العظیم۔ (بیروت، دارالمعرفۃ۔ ۱۳۸۸ھ/۱۹۶۹ء) ج ۱ ص ۲
- ۱۱۱۔ حاری، صحیح البخاری۔ تخمین و تطبیق الدكتور مصطفیٰ دیب البغام (بیروت، دار ابن کثیر، ۱۳۱۰ھ) ج ۳ ص ۱۲۷۵

- ۱۱۲۔ لئن غلدون: "مقدمہ لئن غلدون"۔ (بہروت، مؤسسۃ الاعلیٰ للمطبوعات۔ س۔ن) ص ۳۹۰
- ۱۱۳۔ معالم التنزیل: ۱۰۱-۱۰۰
- ۱۱۴۔ دیکھئے: الطبری: "جامع البیان فی تفسیر القرآن"۔ (بہروت، دارالمعرفہ، ط ۳۰۰ھ) ۱۰۳-۳۶۲، ۶۷-۶۷، سیوطی: "لدر المصنوع": ۱۰۳-۹۷
- ۱۱۵۔ دیکھئے: تفسیر لئن کثیر: ۱۴۱
- ۱۱۶۔ المائدۃ: ۱۲، نیز "موجود حیان" البحر المحیط" (بہروت، دارالمصنوع، ط ۲۰۳، ۲۰۳) ج ۱ ص ۳۳۰-۳۳، آوسی: "روح المعانی": ۳۳۳
- ۱۱۷۔ معالم التنزیل: ۲۰۲
- ۱۱۸۔ دیکھئے تفسیر لئن کثیر: ۳۸/۲
- ۱۱۹۔ معالم التنزیل: ۳۷۳/۳
- ۱۲۰۔ البقرہ: ۲۵۱
- ۱۲۱۔ معالم التنزیل: ۳۵-۲۳۲
- ۱۲۲۔ ص: ۲۱
- ۱۲۳۔ معالم التنزیل: ۵۲/۳
- ۱۲۴۔ تفسیر لئن کثیر: ۳۱/۳
- ۱۲۵۔ ص: ۳۳
- ۱۲۶۔ معالم التنزیل: ۶۳-۶۱/۳
- ۱۲۷۔ یوسف: ۲۳
- ۱۲۸۔ معالم التنزیل: ۳۱۹-۳۱۸/۲
- ۱۲۹۔ ایضاً: ۲۲۰
- ۱۳۰۔ معالم التنزیل: ۵۷-۱۵۶/۲
- ۱۳۱۔ ایضاً: ۶۳/۱
- ۱۳۲۔ ایضاً: ۱۹۸/۲
- ۱۳۳۔ ایضاً: ۳۰-۳۲۹/۳
- ۱۳۴۔ ایضاً: ۱۸۱
- ۱۳۵۔ ایضاً: ۱۸۱
- ۱۳۶۔ مجموع فتاویٰ شیخ الاسلام: ۳۵۳/۱۳
- ۱۳۷۔ البقرہ: ۲۲۸
- ۱۳۸۔ معالم التنزیل: ۲۰۳-۲۰۳
- ۱۳۹۔ الاعراف: ۳۳
- ۱۳۹۔ معالم التنزیل: ۱۵۸/۲
- ۱۴۰۔ معالم التنزیل: ۱۵۸/۲
- ۱۴۱۔ آل عمران: ۱۳۷
- ۱۴۲۔ معالم التنزیل: ۳۵۳/۱
- ۱۴۳۔ البقرہ: ۴۵
- ۱۴۳۔ معالم التنزیل: ۳۵۳/۱
- ۱۴۴۔ البقرہ: ۷
- ۱۴۴۔ معالم التنزیل: ۳۵۳/۱
- ۱۴۵۔ آل عمران: ۷
- ۱۴۶۔ معالم التنزیل: ۳۹/۱
- ۱۴۷۔ آل عمران: ۷
- ۱۴۸۔ آیات: الحشر ۷-۱۰
- ۱۴۹۔ معالم التنزیل: ۱۰-۷
- ۱۵۰۔ معالم التنزیل: ۲۸۰/۱
- ۱۵۱۔ ق: ۱
- ۱۵۱۔ معالم التنزیل: ۲۸۰/۱
- ۱۵۲۔ ایضاً: ۱
- ۱۵۳۔ ایضاً: ۱۸
- ۱۵۴۔ ایضاً: ۳
- ۱۵۵۔ الفجر: ۱

۱۵۶	ایضاً: ۱۳	۱۵۷	الغنی: ۱
۱۵۸	الغنی: ۳	۱۵۹	البحر: ۹۲
۱۶۰	الشعراء: ۹۷	۱۶۱	الخلل: ۳۸
۱۶۲	ایضاً	۱۶۳	الغنی: ۱
۱۶۳	الغنی: ۹	۱۶۵	ق: ۱
۱۶۶	دیکھئے۔ معالم التقریل: ۲۲۰/۳	۱۶۷	یوسف: ۸۵
۱۶۸	معالم التقریل: ۳۳۳/۲	۱۶۹	الفاتحہ: ۶
۱۷۰	معالم التقریل: ۳۲/۱	۱۷۱	البقرہ: ۱۰۲
۱۷۲	معالم التقریل: ۱۰۰/۱	۱۷۳	ایضاً: ۲۷۰
۱۷۳	ملا علی القاری: "مرآة القاصح": ۱۰/۱		
۱۷۵	تفصیل کے لئے دیکھئے مصادر تفسیر	۱۷۶	آل عمران: ۱۳۰
۱۷۷	معالم التقریل: ۳۵۵/۱	۱۷۸	الفاتحہ: ۶
۱۷۹	معالم التقریل: ۳۱/۱	۱۸۰	یٰسین: ۶۲
۱۸۱	معالم التقریل: ۱۷/۳	۱۸۲	ایضاً: ۹۷/۱
۱۸۳	البقرہ: ۱۹۶	۱۸۴	معالم التقریل: ۱۶۶/۱
۱۸۵	البقرہ: ۱۸۵	۱۸۶	معالم التقریل: ۱۵۲/۱
۱۸۷	ایضاً: ۱۷/۲	۱۸۸	ایضاً: ۲۰۳-۲۰۳
۱۸۹	النساء: ۳۳	۱۹۰	معالم التقریل: ۳۳۳/۱
۱۹۱	المائدۃ: ۳۳	۱۹۲	معالم التقریل: ۳۵/۲
۱۹۳	البقرہ: ۲۲۸	۱۹۳	الطلاق: ۳
۱۹۵	البقرہ: ۲۳۳	۱۹۶	الاحزاب: ۳۹
۱۹۷	الطلاق: ۳	۱۹۸	البقرہ: ۲۲۸
۱۹۹	الاعراف: ۱۳۳	۲۰۰	البقرہ: ۹۵
۲۰۱	الزخرف: ۷۷	۲۰۲	الحج: ۲۷
۲۰۳	معالم التقریل: ۱۹۶/۲	۲۰۳	الانعام: ۱۰۳
۲۰۵	الشعراء: ۶۱	۲۰۶	معالم التقریل: ۱۲۰/۲
۲۰۷	یونس: ۶ دیکھئے معالم التقریل: ۳۵۱	۲۰۸	القیلۃ: ۲۲-۲۳

- ۲۰۹۔ معالم التنزیل: ۳/۲۲۳
- ۲۱۱۔ النساء: ۱۱۶
- ۲۱۳۔ معالم التنزیل: ۱/۳۶۵
- ۲۱۵۔ معالم التنزیل: ۳/۱۳۱-۳۲
- ۲۱۷۔ معالم التنزیل: ۱/۴۷۸
- ۲۱۹۔ معالم التنزیل: ۳/۲۱
- ۲۲۱۔ معالم التنزیل: ۲/۵۰۸
- ۲۲۳۔ معالم التنزیل: ۲/۱۶۵
- ۲۲۴۔ مثالوں کے لئے دیکھئے سہ ماہی عنوان "تفسیر القرآن بالسنة"
- ۲۲۵۔ مثلاً دیکھئے فتح کا مفہوم اور اس کی اقسام مع امثلہ۔ معالم التنزیل: ۱/۱۰۳-۱۰۴
- ۲۲۶۔ مثالوں کے لئے دیکھئے معالم التنزیل: ۱/۲۷۸، ۳۸، ۵۱، ۲۰: ۲۹/۲، ۱۷۵، ۲۶/۳، ۳۶، ۱۹۱
- ۲۲۷۔ معالم التنزیل: ۱/۳۵۸
- ۲۲۹۔ ایضاً: ۳۶۳
- ۲۳۰۔ خازن: "تفسیر الخازن" (بہا مش مدارک التنزیل و حقائق التاویل) س۔ ن۔ ج، ا، ص ۲-۳
- ۲۳۱۔ مجموع فتاویٰ شیخ الاسلام: ۳/۳۵۳
- ۲۳۲۔ حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں "معالم التنزیل" کی دو مختصرات کا ذکر کیا ہے، ایک تاج الدین ابو نصر عبدالوہاب بن محمد الحسینی م ۸۷۵ھ کی طرف منسوب ہے اور دوسری "لباب التاویل فی معانی التنزیل" ہے جو شیخ علاء الدین علی بن محمد البغدادی المعروف بانی زن کی ہے۔ (دیکھئے: کشف الظنون: ۲/۱۷۶، نیز ۱۵۳۰-۱۵۳۱۔ بروکلین) نے "تاریخ الادب العربی" میں بعض دیگر مختصرات کی بھی نشاندہی کی ہے اور ان کے مخطوطات ذکر کئے ہیں مثلاً: (۱) مختصر لاحمد بن علی الفیوی م ۷۷۰ھ (۲) نفائس المرجان فی جمع قصص القرآن لعبد الوہاب محمد الحسینی م ۸۷۵ھ، (۳) المحقق الجلیل محمد نوری القادری، (۴) الجوہر الاصل لعبد اللہ بن عبدالوہابی بن محمد الورد۔ دیکھئے: بروکلین، کارل: "تاریخ الادب العربی"۔ (تقریب عبداللیم حار والسید یعقوب بحر) القاہرہ۔ دارالمعارف ۱۹۷۷ء، ۲/۲۳۳۔

